124
2181 JK D

پریم سنسار

(چند بے ربط رومانی داستانیں)

عشرت رحمانی

الہ آباد پبلشنگ ہاؤس - الہ آباد

فہرست مضامین

انتساب

قیصر... کے نام۔

عشرت رحمانی

سنہ ۱۹۴۸ء

عذرِ گناہ

بےکسی کے اگر زباں ہوتی
ہر جگہ "میری داستاں" ہوتی

"عورت تیرا نام محبت ہے"

یہ مان لیا جائے تو پھر نفسیاتی تحلیل کے اس نتیجہ کو کیا کہیں گے کہ۔

"عورت نفرت کرنے پر آئے تو اپنا جواب نہیں رکھتی"

دونوں نظریے اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ اور عام زندگی کی سچی کہانیوں سے دونوں حقیقتوں کے ثبوت فراہم ہوتے ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ محبت کرنا عورت کی فطرت ہے اور مرد کے لئے تفریح۔ عورت جب محبت کرتی ہے تو خلوص اور سچائی سے اس کی خاطر اپنا تن من دھن نچھاور کرکے صرف "محبت" رہ جاتی ہے۔ لیکن مرد "چاہنا" اور "چاہا جانا" ایک شغل سمجھتا ہے اور اپنا حق جانتا ہے کہ اگر کسی کو چاہے تو وہ دلی

M.Q. ZORE KASHMIRI

خلوص سے اس کی ہوجائے۔ خواہ مرد کی طرف سے وہ اظہارِ محبت، محض جذباتی اور عارضی کیوں نہ ہو۔
مگر "عورت ذات" محبت کی خاطر ہر ترک وایثار اپنا فرض سمجھ کر اپنے دائمی حقوق بحق محبت، محفوظ کردیتی ہے۔ 'مرد ذات'، کے 'فریب محبت یا خودغرضی کا شکار بن کر بھی اپنی 'ناکامی' کو بے بسی کے ساتھ گوارا کرلیتی ہے۔ اور اکثر دل کو یہ کہہ کر سمجھاتی ہے کہ۔

"عورت تیرا نام محبت ہے"

ہاں! کبھی، محبت کی مایوسی، بیوفائیوں اور کجرائیوں کی انتہا جب عورت کو 'انتقام' کی طرف مائل کرتی ہے۔ اور محبت کی مجبور ناکامی، 'انتہائی نفرت' کی شکل میں تبدیل ہوجاتی ہے تو پھر نتیجہ خوفناک ہوتا ہے عورت فطرتاً انتہا پسند سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے جب۔

"وہ نفرت کرنے پر آئے تو اپنا جواب نہیں رکھتی"

مگر واقعات شاہد ہیں کہ اس کی ذمہ داری زیادہ تر مرد ذات، پر ہوتی ہے — یا پھر یہ سمجھنا چاہیئے کہ۔
"ہر تصویر کا دوسرا رُخ بھی ہے۔ اگر ایک طرف عورت محبت کے لئے اپنا سب کچھ تج دیتی ہے تو دوسری طرف محبت کو ٹھکرا کر تباہی وبربادی کی ذمہ دار بھی بنتی ہے۔ مگر ایسی مثالیں کم ہیں۔ اور وفا وایثار کی داستانیں طویل، اس لئے۔ عورت کی قربانی مسلّم" ہے — اور عورت کی فطرت کا دوسرا نام 'محبت رکھیں یا اس کی دنیا کو 'پریم سنسار'

کہیں تو بیجا نہیں مگر ہر کلیہ کا استثنا ضروری ہے۔ وہاں صرف یہ سمجھ لیجئے کہ عورت ایک سنسار ہے۔

یہ مجموعہ اسی 'دنیائے محبّت' کے افسانوں پر مشتمل ہے۔ یا اس ذات کے نام منسوب ہے جس کا "سنسار" پریم ہے بھگتی ہے، اور تیاگ اور ان سب سے الگ ایک معمّہ بھی۔ جو نہ سمجھنے کا ہے نہ سمجھانے کا۔!

ناظرین کو جہاں کہیں فنّی خامیاں نظر آئیں تو بغیر معذرت) انہیں قبول کرلیں۔ کیونکہ اس میں ہر افسانہ، کسی نہ کسی حقیقت پر مبنی ہے' اس لیئے اصلیت زیادہ ہے اور 'افسانویت' کا کوئی دعویٰ نہیں۔ یہی انداز ڈرامہ اور فیچر کا سمجھنا چاہیئے۔

البتہ اس میں شامل 'وفا جفا' کی ہر داستان پر کسی نہ کسی "ناظر" کو اپنی یا اپنے گردو پیش کی کسی زندگی کی سرگزشت، کا گمان ہونا شرط ہے۔ اور یہی اس مجموعہ کی غایت ہے۔

افسانوں میں چند دوسری زبانوں سے ماخوذ ہیں۔ اور بعض طبعزاد۔

ہاں! ڈرامے اور فیچر زیادہ تر طبعزاد ہیں۔ مگر سب پریم سنسار" کی 'آپ بیتی' سے اخذ کیئے گئے۔ یعنی ہر ایک 'زبانِ بے زبانی' کی کہانی۔ 'جذبات لطیف' کی ترجمانی ہے اور بس!

چنانچہ بغیر کسی مزید تمہید' یا طویل دیباچہ کے

ذوق سلیم کی نذر ہیں۔ اسی کو گذشتہ سے پیوستہ سمجھیے "یلندر گولہ"
جو شاید بر تر ہے گناہ سے۔!

عشرت رحمانی
(لکھنؤ۔ نومبر ۱۹۴۶ء)

معذرت :۔ "پریم سنسار" ۱۹۴۶ء سے پریس میں پڑی رہی اس طویل عرصہ میں متعدد بار اسکو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی لیکن ہر تبہ کسی نہ کسی وجہ سے شایع ہونے سے رہ گئی جس کے لیے میں محترم دوست حضرت عشرت رحمانی سے بالخصوص اور ناظرین سے بالعموم معذرت خواہ ہوں۔

محمد ہاشم
۲۴ مئی ۱۹۴۸ء

ایک ریڈیائی فیچر :-

"پاپ"

(ایک سماجی داستان)

(بارش اور طوفان - بادل کی گرج)
[ایک عورت کی دیوانہ وار چیخ اور ہنسی کی آواز]
"ہاہاہا..... ہاہاہا..... ہاہاہا———— !!"
دیوانی ہنسی ختم ہو کر (ایک مرد اور ایک عورت کے ہنسنے کی آوازیں شروع ہوتی ہیں۔)
بیوی = (ہنسکر) ارے ارے۔ ٹھہرو۔ دیکھو۔
میاں = (ہنستا ہے)
بیوی = دیکھو میں گری نا تھ!
میاں = میں سنبھال لوں گا کملا۔ ڈرتی کیوں ہو۔
بیوی = خود تو گر رہے ہو اور کہتے ہو سنبھال لوں گا۔
میاں = واقعی عورتیں بہت ڈرپوک ہوتی ہیں۔
بیوی = عورتوں کے پاس دل ہوتا ہے نا ——— اس لئے؟
میاں = اور کیا مرد بیدل کے ہوتے ہیں؟
بیوی = اُن کا دل پتھر کا ہوتا ہے۔
میاں = (ہنسکر) کیا خوب۔ یہاں بھی اپنی بحث سے باز نہ آئیں۔
بیوی = اوہ۔ کیسا اندھیرا ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔
میاں = دیکھو سنبھل کے آنا۔

بیوی =" بس . ابھی کہتے تھے گر دگی تو میں سنبھال لوں گا"
میاں =" تو اب کیا ہو گیا"
بیوی = اب میں خود ہی سنبھلوں تو سنبھلوں نا! عورت اگر اندھیرے میں گرنے لگے۔ تو مرد زیادہ سہارا دیتے ہیں کہ اور گرے۔ وہ بے چاری خود ہی سنبھل جائے تو خیر؟
میاں = تم تو ہر بات میں نئی بات نکال لیتی ہو۔ (ہنسنا)
بیوی = اچھا ٹھہرو تو۔ اندھیرا گھپ ہے۔ اور چلے جا رہے ہو۔ میرا تو سچ مچ اس ویران جگہ میں جی ڈرا جاتا ہے۔ بجلی کیسی چمک رہی ہے۔
میاں = ذرا مینہ تھم جائے تو پھر اپنی کشتی پر چلتے ہیں۔ ذرا وہاں ٹھہر جائیں۔
بیوی =" اندھیرا گھپ ہے یہاں تو"
میاں = کملا اگر موٹر سے بھاگ کر ہم یہاں نہ آجائیں تو اس طوفان میں گھر ہی گئے تھے۔ خیریت ہو گئی؟
(دور سے ہلکی ہلکی گانے کی آواز)
بیوی = سنو! ناتھ کوئی گا رہا ہے۔ سنا؟
میاں = رونے کی سی آواز ہے۔
بیوی = کون ہے؟
میاں = کوئی بھی نہیں۔ یہاں ایسے میں کون آتا ہے ہوا کی سائیں سائیں ہے اور کیا (گانے کی آواز ختم ہو جاتی ہے)۔

بیوی = ابھی آواز آرہی تھی اب ہوا کے سناٹے میں الوپ ہوگئی۔
میاں = آؤ پھر ہم یہیں بیٹھ کر کچھ گائیں۔
بیوی = مجھے تو سردی معلوم ہو رہی ہے۔ اور اندھیرے میں ڈر بھی ...... اب چلو ......
میاں = باہر بہت تیز بارش ہے۔ بھیگ جاؤ گی چادر اوڑھ لو۔
بیوی = چادر تو موٹر میں رہ گئی۔
میاں = تو میں ابھی لاتا ہوں۔
بیوی = نہیں تم بھیگ جاؤ گے۔
میاں = نہیں میں ابھی لایا۔ تم یہیں بیٹھو۔ ڈرنا نہیں۔ ہاہا۔
(ہنستا ہے)
بیوی = جلدی آنا ناتھ۔
میاں = ابھی آیا۔ ابھی ابھی۔ (جاتا ہے)
بیوی۔ مگر بارش زور کی ہو رہی ہے۔ نہ جاؤ ناتھ۔ بھیگ جاؤ گے۔ اونہہ سنتے ہی نہیں۔ مینھ میں بھیگتے چلے گئے بہت ضدی ہیں ــــ رات بھی قیامت کی طوفانی ہے ــــ آج مینہ نہیں تھمنے کا۔ ہئیں۔ مگر یہ سامنے (گانے کی آواز پھر آتی ہے) روشنی کیسی۔ جیسے دیا جل رہا ہے۔ کون ہے وہاں .... وہ کسی کے رونے ــــ نہیں گانے کی سی آواز ــــ نہ جانے کون ہے وہاں۔ دیکھنا تو چاہیئے ۔ اب ایسا بھی کیا ڈر۔ کوئی عورت گا رہی ہے۔ (گانے کی آواز دور سے)

پاپ ہے من کی لاگ سکھی ری۔ پاپ ہے من ۔۔۔۔
کملا۔ چل کے دیکھوں تو ہے کون۔ وہ ابھی آتے ہی ہوں گے۔
(چلتے ہوئے آگے بڑھنا گانے کی آواز قریب ہوتی جاتی ہے)
پریم سے سُندر پھول کھلائے۔ روپ انوپ دکھائے
پریم امرت میں زہر گھلا ہے۔ مارے اور جلائے
کیسا سُندر ناگ سکھی ری۔ پاپ ہے ۔۔۔۔۔۔

کملا۔ (گانا سُن کر)
یہ تو کوئی دُکھیاری ہے۔ گا رہی ہے مگر آواز سے درد ٹپک رہا ہے۔
(گانے کی آواز جاری رہتی ہے)
اس جگ میں ہے سب سے نرالی پریم نگر کی ریت۔
بھولے بسرے کبھی نہ گانا موکھ پریم کا گیت
پریم ڈگر سے بھاگ سکھی ری
پاپ ہے من کی لاگ

(پیروں کی چاپ قریب آتی ہے۔ گانے کی آواز جاری رہتی ہے)
کملا۔ کون ہو تم؟۔۔۔۔ بہن۔۔۔۔ یہاں کیا کر رہی ہو؟ (خود)
ہے۔ بہن ——— بولو۔۔۔۔۔! (دیوانگی کی سی آواز)
عورت۔ میں۔۔۔۔ (گھبرا کر) میں "ہا ہا"
کملا۔ ہاں ہاں بتاؤ تم کون ہو۔
عورت۔ میں پاپن ہوں۔

کملا = پا ... پ !

عورت = ہاں - پاپن (دیوانی ہنسی) تم جاؤ یہاں سے ۔ یہ اچراغ ....

کملا = یہ چراغ کیسا جلا رہی ہو تم ؟

عورت = (گاتا) لکڑی جل کے کوئلہ بھئی اور کوئلہ جل کے راکھ

میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئی نہ راکھ

ٹھنڈی پریم کی آگ سکھی ری

پاپ ہے ....

(عورت گائے جاتی ہے)

کملا = (خود) کوئی پگلی ہے ۔

عورت = پگلی .... (ہنستی ہے) میں پاپن ہوں ..... پگلی

..... ہا ہا ہا ..... ہا ہا ہا !

کملا = تو تم یہاں ایسی اندھیری رات ۔ سنسان کھنڈر میں کیوں بیٹھی ہو ۔

عورت = اندھیری رات تھی .... یہی سنسان کھنڈر ... میں تھی

..... وہ تھے ۔ (گاتا) ۔

بھولے بسرے کبھی نہ گانا مورکھ پریت کا گیت (زبانی) مورکھ

پریت کا گیت (ہنستی ہے)

کملا = تم ہنستی کیوں ہو ؟

عورت = ہم دونوں ہنسا کرتے تھے .... وہ پوچھتے تھے

تم ہنستی کیوں ہو ؟

کملا۔ وہ کون تھے؟

عورت۔ (گاتا) پریم نے سندر پھول کھلائے۔ روپ انوپ دکھائے

پریم امرت میں زہر گھلا ہے۔ مارے اور جلائے

(روتا) پریم نے سندر پھول کھلائے ......

کملا۔ ارے تم رونے لگیں بہن۔ بتاؤ تمھیں کیا ہوا۔

عورت۔ (گاتا) پریم ہے سندر ناگ سکھی ری پریم ہے سندر ناگ۔

(ہنستی ہے)

راوی۔ وہ دکھیا کملا کو کیا بتاتی۔ کون ہے۔ اُسے کیا ہوا ہے؟ کیوں ہنستی ہے؟ کیوں روتی ہے؟ کملا کے بار بار پوچھنے سے اسے بھولے بسرے خواب کی دھندلی سی یاد آنے لگی تھی...... جب اُس نے کملا سے کہا۔ ہم دونوں ملا کرتے تھے۔ اندھیری رات۔ یہی سنسان کھنڈر۔ اس کے سامنے ایک ایک کرکے گزرے ہوئے زمانہ کی وہ تصویریں آنے لگیں جب وہ اُس کے ساتھ جس کے پریم میں دیوانی تھی یہاں برسات میں سیر کو آئی تھی۔ اُسے اپنی پیار اور محبت کی باتیں۔ وہ سیر و تفریح کی راتیں یاد آ رہی تھیں۔ اس کے سامنے اب وہ سماں تھا۔ وہ اپنے آپ کو اسی دنیا میں پا رہی تھی۔ خوابوں کی کھوئی ہوئی دنیا میں۔ وہ پربھا تھی...... اور وہ چندر کمار یہ دونوں ...... ایک شام دریا کی سیر کر رہے تھے۔

(ایک مرد اور عورت کے ہنسنے کی آوازیں)

عورت۔ لاؤ اب چپو مجھے دو میں ناؤ چلاؤں۔

مرد۔ (ہنسکر) نہیں پربھا عورتوں سے ناؤ نہیں چلا کرتی۔
پربھا۔ (ہنسکر) ہونہہ۔ تو نیّا کھوّیا مرد ہی ہوتے ہیں۔
مرد۔ (ہنسنا) ہاں۔
پربھا۔ چاند بدلی میں چھپا جا رہا ہے۔ چندر کمار آؤ اب چلیں۔
چندر کمار۔ جانتی ہو پربھا۔ چاند میری سندر چاندنی سے شرما کر منہ چھپا رہا ہے۔
پربھا۔ میرے چندر کمار رہے ـــــــ نا (دونوں کا ہنسنا)
چندر۔ اوہو۔ بادل تو زور سے گھر کر آیا ہے۔ برس پڑے تو جانیں۔
پربھا۔ ہوں۔ بھیگ جائیں گے۔ چھپنے کی جگہ بھی نہیں۔
چندر۔ ہے تو۔ وہ دیکھو سامنے اتنی بڑی عمارت۔
پربھا۔ اے لو۔ بوندیں آگئیں! اب کیا کریں۔
چندر۔ چلو وہیں بھاگ چلیں۔
پربھا۔ اب گھر چلتے رات زیادہ نہ ہو جائے۔
چندر۔ مینھ برس رہا ہے۔ چلو اُدھر اس عمارت میں بھاگو (دونوں کا ہنسنا)
پربھا۔ اوہ۔ بارش تیز (جانے کی آوازیں)۔
راوی۔ "یہ دونوں بیٹھے طوفانی رات میں محبت کے طوفان سے کھیل رہے تھے۔ پربھا کا معصوم دل چندر کمار کی محبت سے بھرا ہوا تھا"۔ اور چندر کمار۔
چندر۔ پربھا جانتی ہو مجھے تم سے کتنا پریم ہے۔
پربھا۔ اور مجھے ـــــــ!

چندر۔ میں تمھیں جان سے زیادہ چاہتا ہوں۔

پربھا۔ چندر کمار ——— جیون ساتھی۔

چندر۔ ہاں پربھا ——— ہم جیون ساتھی ہیں۔

پربھا۔ اچھا اب آؤ چلیں رات زیادہ ہوئی اور یہاں گھمس بہت ہے۔
مجھے پیاس ———

چندر۔ پیاس ——— اوہ میں تو پانی کی بوتل ساتھ لایا ہوں یہ وہ
ابھی۔ اسے یہیں پی جاؤ۔ (پیتی ہے)

پربھا۔ یہ تو۔ کچھ ——— بدمزا سا تھا۔ کیسا پانی ہے یہ"

چندر۔ بہت دیر کا رکھا ہوا ہے نا؟

راوی" بارش موسلا دھار ہونے لگی۔ بادل اور بجلی نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔
چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

راوی۔ پربھا اور چندر کمار اندھیرے میں ا——— پربھا کو اس کے بعد
کچھ یاد نہیں۔ ———

اس رات کے بعد۔ مدت گذر گئی۔ چندر کمار کو وہ ایک دن بھی نہ دیکھتی تو رات کاٹنا مصیبت ہو جاتا۔ محبت کی پینگیں بڑھ رہی تھیں۔ پربھا کے ماتا پتا بھی چندر کمار کی عزت کرتے۔ وہ ان کے خیال میں بہت نیک اور سیدھا سادھا شریف لڑکا تھا۔ انھوں نے طے کر لیا تھا کہ پربھا اور چندر کمار کی تعلیم کا زمانہ ختم ہو جائے تو ان دونوں کو ایک رشتہ میں گوندھنے کی سوچیں اور اس طرح پربھا سمجھتی تھی کہ اس کی پاک محبت ایک دن سپھل ہو جائے گی

دونوں خوش تھے زمانے کا چکر چلتا رہا۔ کئی مہینے بعد۔ ایک دن پربھا کے گھر میں قیامت کی رات آئی۔ اس کی ماں نے اس پر چیخ چیخ کے آفت مچادی۔

"بے شرم۔ بے غیرت۔ نرچ۔ کمینی۔ نکل جا گھر سے۔ غارت ہو"

"پربھا کے کانوں میں ایک دردانگیز طوفانی صدا گونج رہی تھی۔ گھر بھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ پربھا اس سے زیادہ کچھ نہ سمجھ سکی۔ کہ اسے بخار تھا اور لیڈی ڈاکٹر نے اُس کی نبض دیکھی تھی۔ باپ گھر سے غائب تھے۔ ماں رو رو کر اسے نکال رہی تھی۔ وہ بھی شاید چندر کمار کے آنے جانے سے ماں خفا ہیں۔ مگر اب تو چندر کمار بھی کئی دن سے نہیں ملتا۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہ سمجھی۔ اسے کئی بار قے ہوئی تھی اُسکی طبیعت بہت خراب تھی۔

آخر اسے گھر سے نکال دیا گیا۔ وہ اپنے سب رشتہ داروں کے گھر گئی۔ مگر اُسے کہیں پناہ نہ ملی۔

آخر وہ چندر کمار کے پاس پہونچی کہ اُس سے اپنا دُکھڑا کہے اور پوچھے کہ یہ سب کیوں ناراض ہیں۔ اس کے دل میں امید اور ارمان کی لہریں موجیں مار رہی تھیں کہ چندر کمار اس کا اکیلا سہارا ہے۔ وہ ماں باپ سے ملاپ کرا دے گا۔

مگر اسے اپنے نصیب کے بگاڑ کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔ چندر کمار نے اس سے کہا۔

چندر کمار۔ پربھا۔ تمہارے ماں باپ کی ناراضی ٹھیک ہے تم نے اپنے آپ کو گرا لیا۔

پربھا۔ چندر کمار یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟
چندر۔ میں صاف اور سچی بات تمھیں بتا رہا ہوں۔
پربھا۔ مگر میں نہیں سمجھی۔
چندر۔ تم نے اپنی عزّت کھو دی۔ نہ جانے کہاں کہاں پھرتی رہیں اور اب
یہ گُل کھلا کے مجھے بدنام کرنے آئی ہو۔
پربھا۔ چندر ——— تم ——— مجھے۔
چندر۔ مجھے اب سے تم اپنا مت سمجھو۔ میں دھوکہ میں تھا۔
پربھا۔ میں نے کیا کیا۔ میرے چندر ——— میری خطا۔؟
چندر۔ بس چُپ چاپ یہاں سے چلی جاؤ۔ تم میری کوئی نہیں۔ میں
تم سے بات کر کے سماج میں منہ دکھانے کا بھی نہیں رہوں گا۔
مجھے دُنیا میں بہت کچھ کرنا ہے۔ جاؤ۔
پربھا۔ چندر۔ کیا ہماری محبت کے سدا بہار پھول اتنی جلدی
مرجھا گئے؟۔
چندر۔ اب تم پھول نہیں کانٹا ہو۔ اور کانٹے کو جو گلے کا ہار بنائے
اس سے بڑھ کر اندھا کون؟
پربھا۔ ہم تم جیون ساتھی ہیں ——— تم نے بچن دیا تھا۔
(چندر خاموش رہتا ہے)
پربھا۔ بولو چندر ——— میں وہی تمھاری پجارن ہوں ——— چندر مجھے
معاف کر دو۔ میرا کوئی سہارا نہیں۔ اب میں کہاں جاؤں۔ آخر

تم مجھ سے کیوں روٹھے ہو۔ تم ایسے کٹھور نہیں ہو۔ چندہ۔
چندہ۔ میری آس بندھاؤ۔ میں نرادھار ہوں ——

راوی۔ "معصوم پربھا کی یہ چیخ پکار سن کر بھی ظالم کمار کا دل نہ پسیجا
اس کے بعد دُکھیا پربھا کی زبان سے ایک حرف نہ نکل سکا۔ اس کا
دماغ اُلٹ گیا۔ آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ سارا سنسار ایک چکر بن کر
اُس کے سامنے گھومتا دکھائی دینے لگا۔ دُنیا کی ہر چیز اُس کو
گھورتی اور دھتکارتی معلوم ہو رہی تھی۔ در و دیوار سے آوازیں
آ رہی تھیں۔

"نرلج —— پاپن" —— ہر کوئی پاپن کے نام سے پکار رہا تھا۔
اور وہ چپ چاپ ان کھنڈروں کی طرف چلی جا رہی تھی۔ جہاں اس
کالی رات میں بجلی چمکی تھی۔ اور پھر اندھیرا چھا گیا تھا۔ اس کے کانوں
میں "پاپن"۔ "پاپن" کی جو آوازیں آ رہی تھیں۔ اس کو نہ سُننے کے لئے
وہ سماج کی چار دیواری سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ ٹھکرائی ہوئی
بے آس۔ دُکھیا پربھا کا دُنیا میں اب کوئی آسرا نہ تھا۔ اس کے ٹوٹے
ہوئے من میں ایک ہوک سی اُٹھی۔ جیسے کوئی دور رو رہا ہے اور یہ درد
بھری آواز کانوں میں گونجتی ہوئی اس کے دل کی گہرائیوں میں ڈوب
گئی —— وہ سدا کے لئے بے آس ہو گئی۔ دنیا میں کوئی نہیں
جسے وہ اپنا کہے۔ ہر ایک اس کے سایہ سے بچتا۔ وہ چلی جا رہی
تھی۔ اپنی اس خوابوں کی بستی کی طرف۔ مگر اب وہ آزاد تھی۔ سماج

کی بندشوں سے - دنیا اس کی نظر میں ویرانہ تھی - ایک شاندار پاپوں
کا کھنڈر -

اس ویرانہ میں وہ بیٹھ گئی - سامنے ایک دیا جلایا - پریم دیوانی
اپنے من مندر کے ظالم دیوتا کو اب بھی اسی لگن سے پوج رہی تھی -
یہ دیا اس کے کھوئے ہوئے "پریم کی آس" ہے - وہ اپنی جان سے
زیادہ اس چراغ کو چاہتی ہے - وہ جانتی ہے جس دن یہ بجھ گیا اس
دن دنیا ختم ہو جائے گی - وہ اب بھی سمجھتی ہے کہ اس کی محبت کے
"سدا بہار پھول" کسی دن کھلیں گے" اسے اب بھی امید ہے کہ
چندر کمار اُسے کسی دن یاد کرے گا - اور اس کے ٹوٹے من کی پکار
سنے گا - وہ اب بھی بے وفا، خود غرض، چندر کمار کو اپنا جیون ساتھی
سمجھتی ہے - اسی لئے اپنے بے آس پریم کو دردبھری آواز میں کوسا
کرتی ہے - کہ شاید چندر کمار سن لے - اور اُس پر ترس کھائے -

گذرے ہوئے زمانے کی یہ تصویریں آناً فاناً میں بدنصیب
پربھا کی نگاہوں سے گذر گئیں اور کملا اس کو کھویا ہوا دیکھ کر "پگلی"
سمجھ کر چپ چاپ کھڑی رہی - پربھا زور سے ہنسی اور ایک دم
پکار اُٹھی -

پربھا - چندر کمار — میرے جیون ساتھی —
کملا گھبرا گئی اتنی دیر میں سامنے سے کملا کا پتی اسکو ڈھونڈھتا ہوا

آپہونچا۔ کملا اس سے اس پگلی کا حال کہنے کو ہی تھی کہ بادل زور سے گرجا۔ ہوا کے ٹھنڈے جھونکے آئے موسلا دھار بارش کا شور اور بھی بڑھ گیا۔ پربھا کے چراغ کی لو کانپنے لگی۔ وہ بے اختیار چلائی جیسے اُس نے کسی کو دیکھ لیا۔

پربھا۔ چندر کمار —— پریتم —— تم آ گئے۔ میرا دیپک بجھا جا رہا ہے۔

کملا۔ چندر۔ یہ پگلی کون ہے؟

چندر۔ (ہنس کر) چلو بھی کوئی ہوگی دیوانی۔ مکار عورتیں مردوں کو فریب دینے۔ ایسی ویران جگہوں میں بیٹھی رہا کرتی ہیں چلو رات زیادہ گئی ہے۔

کملا۔ یہ کہتی ہے میں "پاپن" ہوں۔

چندر۔ اونہہ۔ ہوگی۔ ہمیں کیا۔ "پاپن" نہ ہوتی تو ایسے ویران سنسان اندھیرے میں کیوں آتی"

راوی۔" بادل زور سے گرجا جیسے آسمان چندر کے فریب پر پھٹ پڑے گا۔ پربھا چیخ چیخ کر گانے لگی۔

(پربھا کا گانا)

لکڑی جلی کوئلہ بھئی کوئلہ جل بھئی راکھ
میں پاپن ایسی جلی کوئلہ بھئی نہ راکھ

ٹھنڈی پریم کی آگ سکھی رہی
پاپ ہے من کی اگ ———

(دگانے کی آواز جاری رہتی ہے)

راوی " چندر کمار کملا کے ساتھ ہنستا ہوا چلا گیا۔ مگر اس سوچ میں کھویا ہوا تھا کہ پربھا پاپن ہے یا نردوش ؟۔ اور سماج یا دھرم کا مہا پاپی کون ؟ وہ خود ؟ اندھے سماج کے مورکھ ٹھیکہ دار بھی نہیں سمجھ سکتے۔

رات ہوا کے کاندھوں پر آہستہ آہستہ اپنا سفر ختم کئے جا رہی تھی اور نردوش پربھا کی دردبھری آواز گونج کر دلوں میں تیر کا کام کر رہی تھی۔

" پاپ ہے من کی لاگ "

———

"پریم کی بَجی"

(افسانے)

(۱)
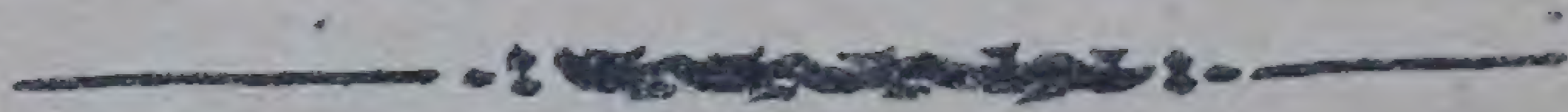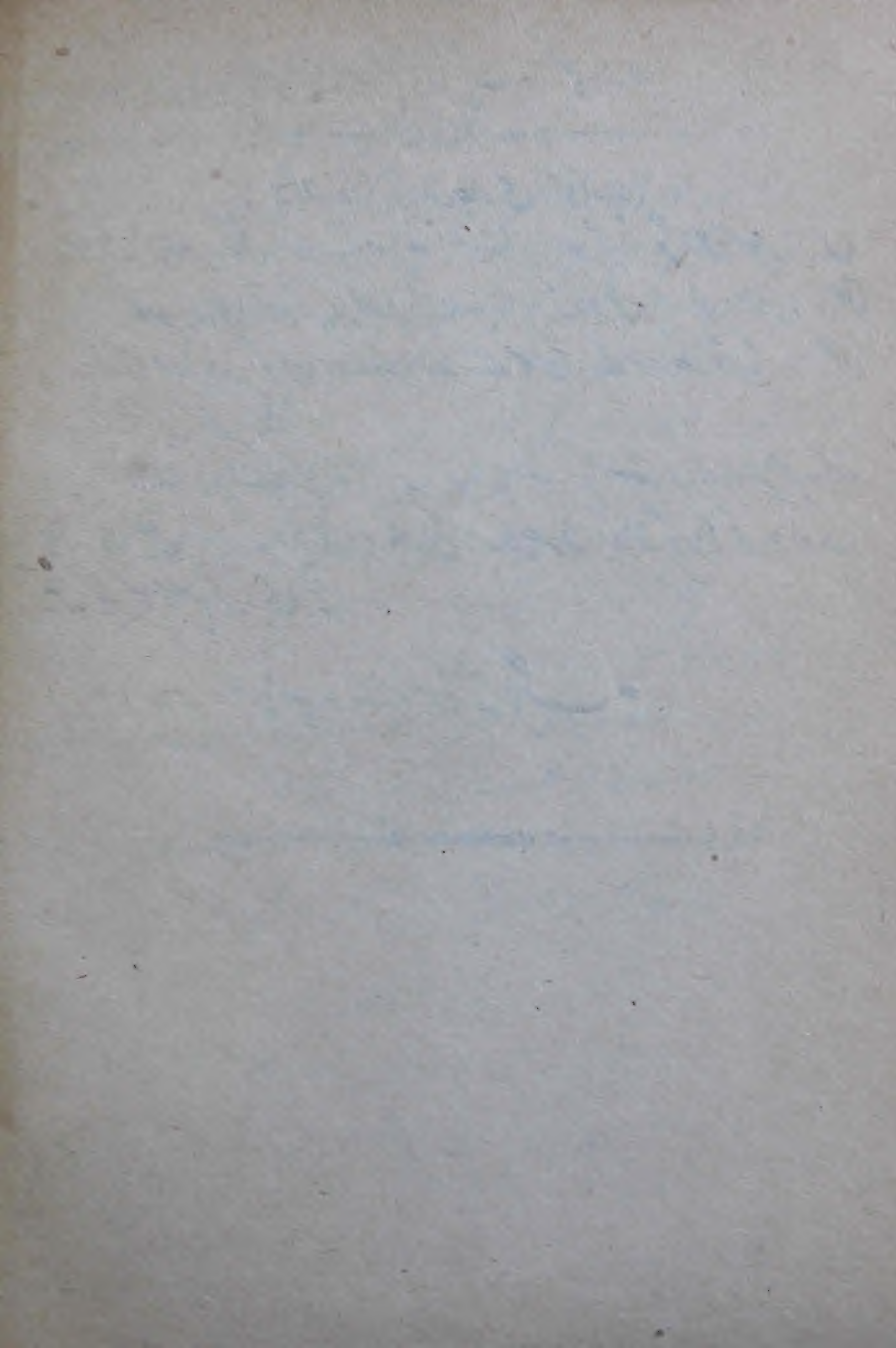
وہ راجکماری اجیت تھی۔ مہاراج نرائن کے درباری شاعر نے اُس کو کبھی نہ دیکھا تھا۔ ایک دن شاعر نے ایک نیا گیت راجہ کو سُنایا۔ آواز اتنی بلند تھی کہ دربار کی بالائی منزل میں پردے کی بیٹھنے والیوں نے خوب سُنی، گویا اُس نے اپنے من کا راگ اُس پار ستاروں کی نورانی بستی تک پہنچا دیا۔ جہاں اُس کی قسمت کا نامعلوم ستارہ نظروں سے غائب راج کرتا تھا۔ کبھی کبھی پردے سے ہلکا سا عکس چھنتا ہوا دکھائی دیتا۔ دور سے ایک جھنکار سی کان میں آجاتی، نظر کے سامنے پائلیں ناچتی معلوم ہوتیں۔ اور ننھے نازک رنگین پاؤں زمین پر اس طرح رکھے جاتے۔ جیسے دیوتاؤں کی دیا کسی پاپی پر۔ ---۔ شاعر نے تصوّر میں اپنے من مندر میں اُن قدموں کو جگہ دی، جہاں وہ اپنے من کے راگ کو پریم بندھن میں جکڑ رہا تھا۔ اُس کو گمان بھی نہ تھا کہ پردہ کے پیچھے کس کا عکس تھا۔ اور کس کی پائل کی جھنکار اُس کے دل میں گونج رہی تھی!

---

(۲)

منجری، راجکماری کی سہیلی روزانہ دریا کو جاتے ہوئے شاعر کے مکان سے گذرتی، اور چپکے سے پکھ نہ کچھ کہہ کر اسے چھیڑ جاتی۔ جب میدان خالی دیکھتی، اور شام کا دھندلکا ہو جاتا۔ وہ بے تکلف اس کے کمرے میں جاتی اور فرش پر ایک طرف بیٹھ جاتی۔ اسکے جوڑے میں پروئے ہوئے پھولوں کی رنگت کچھ انوکھی اور عجیب قسم کی ہوتی۔ لوگ اس پر ہنستے اور باتیں بناتے۔ اور یہ کچھ بجا بھی نہ تھا۔ مگر شنکر (شاعر) دلی کیفیت کے اظہار میں ذرا بھی تکلف نہ کرتا۔ صاف کہہ دیتا کہ رنگوں کا یہ امتزاج اس کے لئے بہت ہی دل کش ہے، منجری، کے معنی ہیں "پھولوں کی ڈالی"۔ مگر شنکر نے اپنی طرف سے اس میں اضافہ کیا، اور "بہار کے پھولوں کی ڈالی" نام رکھا۔ غیر شاعر کے لئے اس میں کوئی خاص ندرت نہیں، مگر شاعر بہار کے گیتوں میں جہاں "بہار کے پھولوں کی ڈالی" کا ذکر کرتا تو اس کی خوب تکرار کرتا رہتا۔ مہاراج اس پر مسکراتے اور شاعر بھی مسکرانے لگتا۔ مہاراج اس سے پوچھا کرتے "کیا شہد کی مکھی بہار کے دربار میں بھن بھنایا ہی کرتی ہے"؟

شاعر جواب دیتا، نہیں اَن داتا! بہار کے پھولوں کی ڈالی کا رس بھی چوسا کرتی ہے"۔ اور دربار میں سب لوگ ہنس دیتے، کہتے ہیں راجکماری اجیت بھی اپنی سہیلی کے اس نام پر ہنسا کرتی، اور منجری

دل ہی دل میں خوش ہوتی۔

صداقت اور فریب، زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں، انسان قدرت کا عجیب نمونہ ہے، یہاں حقیقت کا اظہار صرف اُن گیتوں میں تھا جو شاعر نے پڑھے۔ ان میں پریم کنھیا ”سری کرشن دیوتا“ اور اُن کی پران پیاری ”رادھا جی“ کا بیان تھا۔ رنج و غم سے آغاز ہوتا تھا اور دائمی مسرت پر اختتام۔ نظم کی اصلیت اور جوش کا اثر بھکاری سے لیکر راجہ تک کے دل پر یکساں تھا۔ ہر ایک کی زبان پر شاعر کا یہ ترانہ تھا!۔ چاند کی مدھم روشنی میں۔ ہوا کی سنسناہٹ میں، مکانوں سے، کھڑکیوں سے، دریائی کشتیوں سے اور درختوں کے سایہ تلے اسی کے گیت کی آوازیں سننے میں آتی تھیں۔

اسی طرح کیف و مسرت سے زمانہ گذر رہا تھا۔ شاعر شعر پڑھتا۔ راجہ سنتے، سامعین داد دیتے، منجری کئی کئی بار دربار کو جاتے ہوئے شاعر کے گھر سے گذرتی۔ پردے سے وہی عکس نظر آتا۔ اور دور سے پائل کی جھنکار سنائی دیتی۔

(۳)

اسی زمانہ میں ایک اور شاعر اپنے وطن سے جنوب کی سمت فتح کی راہ پر نکلا اور مہاراج نرائن کی راجدھانی (امرپور) میں پہونچا۔ تخت کے سامنے کھڑے ہوکر ایک قصیدہ پڑھا۔ اُس نے راستہ میں سارے راج دربار کے شاعروں کو مقابلہ کی دعوت دی تھی اور اب تک

ACC No - 21604

کہیں بھی شکست نہ کھائی تھی، راجہ اس سے خاص نوازش اور مہربانی سے پیش آئے، اور کہا۔ "ہم تمہارے آنے سے بہت خوش ہوئے"! پنڈارک (شاعر) نے مغرورانہ انداز میں کہا:۔

"ان داتا!" "میں شاعرانہ مقابلہ چاہتا ہوں"!۔۔۔ شاعر کی یہ دعوت مہاراج نے منظور کرلی۔

شنکر ناواقف تھا کہ تخیّل کی جنگ کس طرح ہوتی ہے، رات بھر اُسے نیند نہ آئی۔ مشہور و معروف پنڈارک کی ڈراؤنی شکل۔ لمبی نوکیلی ناک جیسے تیغہ۔ اور مغرور سر مخصوص انداز سے اک طرف جھکا ہوا۔ اندھیرے میں اُس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہے تھے۔

(۴)

صبح کو شنکر، مقابلہ کے میدان میں داخل ہوا اُس کا دل دھڑک رہا تھا، تماشاگاہ کے چاروں طرف تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ شاعر نے اپنے حریف (پنڈارک) کو تبسّم انداز میں سلام کیا۔ پنڈارک نے آہستہ سے سر کے اشارہ سے جواب دیا۔ اور اپنے ہوا خواہوں کی طرف خاص شان سے مسکرا کر منہ پھیر لیا۔ شنکر نے بالاخانہ کی جانب نظر اُٹھائی۔ خیال میں اپنی دیوی کو سلام کیا اور کہا۔ آج اس مقابلہ میں میری فتح ہو جائے۔ تیرے اجیت نام کی جے ہو!" نقارہ بجا مہاراج کی جے " کے نعرے لگاتا سارا مجمع کھڑا ہو گیا۔ مہاراجہ سفید رنگ کی بھاری خلعت زیب تن کئے۔ خراماں خراماں ایوان میں

داخل ہوئے۔ جیسے خزاں کے موسم میں آسمان پر کبھی بادل گھومتے ہیں، اور تخت پر رونق افروز ہو گئے۔ پنڈارک کھڑا ہوا اور وسیع ایوان پر سکوت چھا گیا۔ اُس نے سر بلند کر کے سینہ تان لیا اور گرجدار آواز سے مہاراج کی شان میں قصیدہ خوانی شروع کی۔

اُس کے الفاظ دربار کی دیواروں سے ٹکرا رہے تھے، جیسے سمندر کی چٹانوں سے لہریں۔۔۔ اور سامعین کے دلوں کو برما رہے تھے، اس نے نادر اسلوب سے "نرائن" نام کی تشریح کی، اور اُس کے ایک ایک حرف کو الفاظ کی معنویت کے ساتھ اس خوبی اور صفائی سے مربوط کر دیا کہ سننے والے عش عش کر رہے تھے! وہ بیٹھ گیا۔ مگر اُس کی آواز دیر تک ایوان کے بے شمار ستونوں اور ہزارہا سامعین کے ساکت دلوں میں گونجتی رہی بلند پایہ نقادوں نے، جو دُور دراز مُلکوں سے آئے ہوئے تھے۔ اپنے ہاتھ اُٹھائے۔ اور "واہ واہ" کا شور مچایا۔۔۔ مہاراج نے شنکر پر نگاہ ڈالی جواب میں اُس نے اُداس نظریں اُٹھا کر مہاراج کی طرف دیکھا اور کھڑا ہو گیا جیسے کسی گھاٹی سے زخمی ہرن اُٹھتا ہے، اُس کا چہرہ زرد تھا۔ عورتوں کی طرح شرما رہا تھا۔ اُس کی حسین اور پُرکشش شکل و شباہت بالکل ایک سبک لہر "وینا" سے مشابہ تھی۔۔۔ ذرا چھیڑتے ہی جس میں سے مدھم نغمے نکلنے کو بیتاب ہوں! سر جھکائے ہوئے دھیمی آواز میں اُس نے قصیدہ شروع کیا، ابتدائی چند شعر تو قریب قریب سننے میں ہی نہیں آئے۔ پھر رفتہ رفتہ سر اٹھایا، صاف

اور شیریں آواز بلند ہوئی۔ جیسے آگ کے لرزتے ہوئے شعلے۔ پہلے اُس نے راج کے ابتدائی دور کی حالت بیان کی کہ سلطنت پر کیسے گرد و غبار چھائے ہوئے تھے۔ گزشتہ زمانہ کی بہادری اور شجاعت کی طویل داستانیں سنائیں اور موجودہ عہد کی بے مثال فیاضی اور اولوالعزمی کے تذکروں پر قصیدہ ختم کر دیا۔ اُس نے مہاراج کی طرف دیکھا۔

اس قصیدہ پر تمام حاضرین دربار کے دلوں میں ناقابل بیان و نامحدود منّت و وفاداری کے جذبات موجزن ہوئے اور چاروں طرف سے تخت کو گھیر لیا۔ جب کانپتا ہوا شنکر اپنی جگہ پر بیٹھا ہے تو اُس کے آخری الفاظ یہ تھے "ان داتا! لفظوں کے کھیل میں چاہے مجھے شکست ہو جائے مگر آپ کی محبّت میں نہیں ہار سکتا" سامعین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پتھر کی دیواریں "فتح" کے شور سے ہل گئیں۔ پنڈارک۔ جذبات کے اس عام ہنگامہ پر ہنستا ہوا سر کو زور سے حرکت دیتا۔ متکبّرانہ انداز سے کھڑا ہوا اُس نے حاضرین کے سامنے یہ سوال پیش کیا "لفظ کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے" کچھ دیر تک دربار میں خاموشی چھائی رہی۔ اس کے بعد اس نے خود اِک حیرت انگیز۔ فاضلانہ انداز سے ثابت کیا کہ ایک لفظ" ہی سے کل کا آغاز ہوا اور وہ لفظ "ایشور" تھا۔ قدیم روایات سے حوالے دیئے: اور اس طرح "لفظ" کے لئے ایک ایسا اعلیٰ مقام تیار کر دیا۔ جسے آسمان و زمین کی تمام چیزوں پر افضلیت حاصل ہو گئی اور پھر یہی سوال بلند آواز سے دھرایا۔ لفظوں کی ماہیت اور حقیقت

کیا ہے" تمکنت سے اپنے چاروں طرف دیکھا، سب خاموش تھے!
وہ اس طرح بیٹھ گیا" جیسے شیر" شکار سے سیر ہوکر اُسی وقت
بیٹھا ہو۔ پنڈتوں نے" واہ واہ" کا شور مچایا۔

راجہ حیرت سے خاموش رہا۔ شنکر نے اپنے عجز کا دل میں اقرار
کر لیا کہ اُسے یہ معلومات حاصل نہیں کیونکہ وہ شاعر تھا، منطقی نہیں۔
جلسہ دوسرے دن کے لیے برخواست ہو گیا۔

(۵)

دوسرے دن شنکر نے اپنی نظم شروع کی، نظم کا عنوان با تاثیر
شکت تھا" پریم بانسری" وہ بانسری جس کے نغموں نے کبھی
بندرابن کے جنگل، میں روحانیت اور نئی زندگی کی لہر دوڑا دی
تھی۔ گوالنیں بے خبر تھیں کہ یہ بانسری والا کون ہے اور نغمے
کہاں سے اوبل رہے ہیں۔ کبھی جنوبی ہواؤں سے نکلتے معلوم
ہوتے۔ تو کبھی پہاڑ پر گھومتے ہوئے بادلوں میں سے۔ ایسا
سمجھ میں آتا کہ آکاش سے 'پریم ملاپ' کا پیام لا رہے ہیں!
تارے اس عالم خاموش میں ٹمٹما رہے تھے۔ جنھوں نے رات کی
نیندیں نغموں میں کھو دی تھیں، جیسے چاروں طرف سے اکدم
راگ ہی راگ نکل پڑے ہوں، میدانوں سے، درختوں سے،
گلیوں سے، ویران سڑکوں سے آسمان کی بلندی سے اور گھاس
کی شفاف سبزی سے۔ غرض ہر سمت سے نغمے پیدا ہو رہے تھے،

حاضرین بالکل مبہوت تھے، اور ایسے مدہوش کہ اُن کی دلی کیفیات کا اظہار ممکن نہیں تھا۔ جوشِ عقیدت سے سب کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے تھے، اور اُن کی زندگیاں ایسی موت کی طالب تھیں جس کا انجام بخیر ہو!۔

شنکر اپنے کو بالکل بھولے ہوئے تھا۔ اس کو اپنے حریف کی مدافعت کا خیال ہی نہ رہا تھا۔ کھڑا جھوم رہا تھا اور اس کے گرد تخیلات کی بارش ہو رہی تھی، تصوّر نے عکس سے ایک تصویر بنالی تھی، جو اس کے پیش نظر تھی، اور دور کی جھنکار کانوں میں گونج رہی تھی، وہ بیٹھ گیا۔ سامعین جوشِ انبساط سے کانپ اٹھے، اُنھیں داد دینے کا بھی ہوش نہ رہا۔ جب یہ ہنگامہ فرو ہوگیا۔ پنڈارک تخت کے سامنے کھڑا ہوا اور اُس نے اپنے حریف کو مخاطب کیا "بیان تو کیجئے" "شیام بہاری، اور پریم پیاری" "کون ہیں؟ پھر اطمینان کے ساتھ چاروں طرف نظر ڈالی، اپنے ہوا خواہوں کو دیکھ کر مسکرایا اور پھر وہی سوال دہرایا۔ بیان کیجئے "یہ شیام بہاری، کرشن مراری" "کون ہیں اور پریم پیاری رادھیکا" کون؟ اور اب اُس نے خود اِن ناموں کی تفصیل شروع کی۔ مختلف طریقوں سے اُن کے مطالب کی تشریح کرتا رہا۔ حیرت زدہ حاضرین کے سامنے اُس نے اور گیتا کے عجیب نکات بڑی قابلیت سے بیان کیۓ، ان ناموں کے اِک اِک حرف کے توڑ جوڑ اِس طرح ملائے اور انوکھے منطقیانہ

انداز میں کچھ اس طرح توضیح کی کہ گنجلک پیدا ہو کر مطلب کا سمجھنا دشوار ہو گیا۔ دقیقہ رس دماغ بھی مشکل سے اس کی گہرائیوں تک پہنچ سکتے تھے، پنڈت وجد میں دھینیا دئیے نعرے لگا رہے تھے اور حاضرین بے سمجھے اُن کی پیروی کر رہے تھے! عقیدت کے مغالطے میں تخئیل کی سحر کاریوں نے صداقت کے پردے اُن کی آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ سب شخص سب ان عجیب و غریب تخیلات کے سرور میں ایسے مست تھے کہ یہ بھی نہ سوچا، اُس میں کچھ اصلیت کا بھی شائبہ ہے!"

مہاراج حیرت سے از خود رفتہ تھے۔ آخر منطقی دلیلوں کے غبار سے مطلع صاف ہوا، دنیا کا منظر ہی بدل گیا۔ فرحت و شادابی کے بجائے اب ویران، ناہموار، پتھریلی سڑک نظروں کے سامنے تھی، حاضرین کی نگاہوں میں اپنا شاعر اس دیو کے مقابلہ میں ایک حقیر و ذلیل معلوم ہوتا تھا، اُن کے نزدیک شنکر کی نظمیں نہایت عامیانہ تھیں، اور یہ گمان تھا کہ شاید وہ بھی خود اُس کی کہی ہوئی نہیں۔! نہ تو اُن میں کوئی جدت و ندرت تھی اور نہ وہ عبرت انگیز یا نصیحت آمیز ہی معلوم ہوتی تھیں!

مہاراج نے اپنے شاعر کو گھور گھور اُبھارنا چاہا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک آخری کوشش کے لئے آمادہ کیا۔ مگر شنکر نے کچھ توجہ نہ کی، اور خاموش بیٹھا رہا۔ اِس پر مہاراج غیظ و غضب میں تخت سے نیچے

اُترائے! موتیوں کا ہار اُس کے گلے سے اُتار کر۔ پنڈارگ کے گلے میں ڈالدیا۔ تمام حاضرین حیرت سے اُچھل پڑے۔ بالاخانہ پر پیچھے میں آہستہ آہستہ پوشاک کی سرسراہٹ اور پائل کی جھنکار سی سُنائی دی۔ شنکر اپنی جگہ سے اُٹھا اور تماشاگاہ سے روانہ ہو گیا ---!

(۶)

اندھیری رات تھی۔ شنکر نے اپنی الماریوں سے سارے کاغذات نکالے اور فرش پر ڈالدیے۔ اُن میں سے بعض کاغذوں میں اُس کی ابتدائی مشق کے نمونے تھے، جنہیں اب بھول بھی چکا تھا۔

ورق اُلٹ پلٹ کے تمام کتابیں دیکھیں، کہیں کہیں سے کچھ پڑھا، اُس کی نظر میں یہ سب ہیچ و پوچ تھیں، الفاظ بالکل عامیانہ اور بچوں کے سے گیت تھے۔! ایک ایک کر کے اُس نے ساری کتابوں کے پُرزے پُرزے کر ڈالے، سب کو آگ کی نظر کر دیا۔ اور بولا! تیری۔ اے سندرتا کی حسین آگ، یہ سب تیری نظر ہیں۔ تو ہی اتنی مدت سے میرے دل میں روشن ہے۔ اگر میری زندگی ایک سونے کی ڈلی" ہوتی وہ اپنی نا چیز چمک کچھ دنوں میں کھو دیتی۔ مگر وہ تو روندی ہوئی گھاس کا تنکا ہے! اور اُس میں بکھر راکھ سے زیادہ اس میں کچھ بھی نہیں۔ اس کا کیا بگڑ سکتا ہے۔

(۷)

رات زیادہ گئی تھی شنکر نے اپنی کھڑکیاں چوپٹ کھول دیں، اپنے پسندیدہ سفید پھول، چنبیلی، موگرا اور بیلا سیج پر بکھیرے۔ گھر بھر کے چراغ روشن کیے۔

اور زہر کے چند قطرے شہد میں ملا کر پی گیا۔ اور بستر پر دراز ہو گیا۔

سنہری پائل کی جھنکار دروازہ کے باہر سنائی دی۔ اور ہوا کے ساتھ کسی خوشبو سے کمرہ معطر ہو گیا، شاعر نے آنکھیں بند کئے ہوئے پکارا "دیوی! اپنے داس پر رحم آ ہی گیا۔ آخر اُسے دیکھنے براجیں!"

جواب میں ایک دلکش آواز سنائی دی' "میرے شاعر! میں آگئی" شنکر نے آنکھیں کھولیں نظر کے سامنے ایک حسین مجسمہ تھا۔ اُس کی آنکھیں جھپک گئیں، گویا اُس عکس کا تصور بندھ گیا جو ہر دم اُس کے "من مندر" کے تخت پر جلوہ افروز رہتا تھا۔ اور ظاہری دنیا میں اُس کی آخری گھڑی کا نظارہ کرنے آ گیا!۔

اُس نے کہا "میں راجکماری اجیت ہوں" شاعر لڑکھڑاتا ہوا اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

راجکماری نے غمگین آواز میں آہستہ سے کہا "مہاراج نے تیرے ساتھ بے انصافی کی، بازی تو نے ہی جیت لی ہے، میرے شاعر! اور میں تیرے سر فتح کا تاج چڑھانے آئی ہوں"،!۔

یہ کہہ کر اُس نے اپنے گلے سے "پھول مالا" اُتاری اور شنکر کے سر پہ ڈال دی۔ شاعر بستر پر گرا۔ اُس کی روح پرواز کر چکی تھی۔ اور راجکماری اجیت ...؟ کون جانے وہ کیا ہوئی! کہاں گئی! جیت کس کی ہوئی؟ اُس دن سے راج دربار میں منادی ہو گئی کہ شاعر، یا کوئی، کبھی نہ آنے پائے!

(بنگالی سے)

سہاگ کی شام

(ڈرامہ)

افراد

(۱) راجہ جیت مل ——— روپ نگر کا راجہ

(۲) بلبیر ——— پریم نگر کا راجہ

(۳) دوار پال ——— راجہ پریم نگر کا دوار پال

(۴) راجکماری چندراوتی ——— روپ نگر کی راجکماری

(۵) پربھا ——— راجکماری کی خاص سہیلی

(سپاہی - اور دوسرے لوگ)

مقام :- بھارت دیش میں کہیں -

زمانہ :- کوئی

پہلا منظر

رات کا وقت مقام روپ نگر

(راج باغ میں راجکماری چندراوتی اپنے پریم سپنے کی یاد میں ہے۔ دوسرے دن شام پور کے رانا جے مل کے ساتھ اُس کا بیاہ ہونے والا ہے۔ مگر راجکماری اس بیاہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس کی شادی کی بات چیت سب سے پہلے پریم نگر کے راجکمار بلبیر کے ساتھ طے پائی تھی۔ راجکماری اور راجکمار بلبیر دونوں بچپن میں ساتھ کھیلے۔ اور دونوں کو آپس میں ایک دوسرے سے بیحد پریم ہے۔ راجکماری بلبیر کو اپنا پہلا سنگیتر سمجھتی ہے۔ اور اسی سے بیاہ کرنا چاہتی ہے۔ مگر کسی بات پر دونوں راجہ بھائیوں میں جھگڑا ہو گیا ہے۔ اس لئے راجکماری کے پتا راجہ جیت مل نے اپنے ارادہ کو بدل دیا ہے۔ اُلجھنیں بڑھ چکی ہیں۔ اور ان کا سُلجھانا اب دُشوار ہو رہا ہے)

راج کُماری ۔ دُنیا کی رچنا بھی عجیب ہے۔ آسمان پر تارے چمک رہے ہیں۔ یونہی چمکتے رہتے ہیں۔ وہ دن بیت گئے جب تاروں

بھری راتوں میں ہم یہاں پھولوں سے کھیلتے تھے۔ میں اور میرا
راجکمار بلبیر دونوں ۔ ۔ ۔ ۔ ہنستے تھے۔ خوش ہوتے تھے۔
اُس منوہر سمے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تارے مُسکرا رہے ہیں۔
پھول ہنس رہے ہیں۔ مگر اب وہ راتیں کہاں ہیں ... یہی پھول
میری تنہائی پر آہیں بھر رہے ہیں۔ پرماتما ہمارے پریم سپن
کا اُتر بھی کبھی ملے گا! ہمارے ارمانوں کے تارے بھی کبھی چمکینگے۔
یا میری اُمیدوں کی دنیا میں مایوسی کا اندھیرا ہی رہے گا۔
پربھا۔ (داخل ہو کر) راجکماری۔ آپ یہاں ہیں۔
راجکماری ۔ "پربھا میں تمھاری ہی راہ دیکھ رہی تھی"
پربھا ۔ میری راہ ۔ یا راجکمار بلبیر کی ۔۔۔!
راجکماری ۔ پربھا! راجکمار اس وقت یہاں کہاں ۔۔۔؟
پربھا ۔ وہ آج اسی سمے یہاں آئیں گے۔
راجکماری ۔ سچ پربھا۔؟ مجھے کیوں جھوٹ موٹ جلا رہی ہے۔
پربھا۔ راجکماری میں سچ کہتی ہوں ۔ راجکمار آج باغ میں ضرور
آئیں گے۔
راجکماری ۔ تمھیں کیا خبر۔ پربھا!
پربھا ۔ میں اپنی راجکماری کے لئے کیا اتنی خبر بھی نہیں رکھتی۔
راجکماری ۔ تو بتاؤ پربھا ۔۔۔ وہ یہاں کیسے۔
پربھا ۔ یہ دیکھو راجکماری ۔۔۔ ایسے ۔۔۔ (خط دکھاتی ہے)

راجکماری :- کیا راج کمار کا سندیسہ - پریم سندیسہ - دکھاؤ
پربھا - ادھر لاؤ -

پربھا - اونہوں! ---- یہ ہمارے پاس آیا ہے - ہم کیوں دیں -

راجکماری - میری اچھی پربھا - جلدی لا - تو بہت اچھی ہے ---
(خط لیتی ہے) آہا ---- راجکمار آج شام کے وقت یہاں
باغ میں آئیں گے ---- میرے پریتم! ہاں پربھا ---- تم
مہاراج کے پاس گئیں تھیں ---- ماتا جی سے بات ہوگئی؟

پربھا - ہاں راجکماری میں راج محل سے ہی آرہی ہوں -

راجکماری - تو جلدی سُنا - میرے نصیب ---- کی بات ---

پربھا - نصیب کا چندرماں چمکنے والا ہے - کل سہاگ رات ----

راجکماری - سہاگ کی رات ---- کیا پتا جی مان گئے - ماتا جی راضی
ہوگئیں - پربھا جلدی بتاؤ ---- اُنھوں نے کیا کہا -

پربھا - راجکماری ---- تم جانتی ہو مہاراج اور رانی جی اپنی بات
کے پکے ہیں -

راجکماری - تو اُنھوں نے میرے نصیب کا کیا فیصلہ کیا -

پربھا - یہی کہ ---- راجکماری کا بیاہ کل راجکمار - (راجکماری
لفظ راجکمار سنتے ہی مضطرب ہوجاتی ہے - جیسے پر ارتھنا کرتی
ہے - کہ راجکمار کا نام پربھا کی زبان سے "بلبیر" نکلے اور اک دم
"ایشور" کہتی ہے - ساتھ ہی پربھا کی زبان سے "جے مل" نکلتا

ہے۔ راجکماری مایوسی اور نفرت سے گھبرا اُٹھتی ہے۔) "جے مل" کے ساتھ۔

راجکماری۔ (اکدم) نہیں۔ کبھی نہ ہوگا۔

پربھا۔ (سمجھاتے ہوئے) راجکماری۔ یہ تمھارے پِتا اور ماتا کی خوشی ہے۔ اس میں ضد نہیں کرنی چاہیئے۔

راجکماری:۔ پربھا! تم راجہ اور رانی کی طرف سے مجھے سمجھانے آئی ہو۔ تم بھی اُن کی طرف ہوگئیں ـــــ ٹھیک ہے۔ راج کا ساتھ دینا چاہیئے۔

پربھا:۔ نہیں راجکماری! میں تمھاری داسی ہوں۔ میں نے مہاراج اور رانی جی کو تمھارا سارا حال بتایا۔ جتنا ہو سکا سمجھایا۔ منتّی کی۔ پرارتھنا کی! پرنتو......

راجکماری۔ راج ہٹ کے سامنے اُن کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ کیوں نا پربھا؟

پربھا۔ کیا کہوں راجکماری ـــــ وہ تمھارے ماتا پتا ہیں۔ اُنکی آگیّا کا پالن کرنا تمھارا دھرم ہے۔

راجکماری۔ ماتا پتا اپنی آگیّا کے نیچے پتری کا من توڑ سکتے ہیں۔ مگر اپنی بیجا ضد کو نہیں بدل سکتے۔ پرماتما کیا یہی نیائے ہے!!

پربھا۔ تم جانتی ہو راجکماری! بیاہ کا دن ٹھہر چکا ہے کل ہی شبھ لگن میں برات آنے والی ہے۔ اب بیاہ کی بات کیسے

بدل سکتی ہے۔
راجکماری۔ کیوں ــــ؟ پہلے راجکمار بلبیر کے ساتھ میرے بیاہ کی بات پکی ہوئی تھی۔ وہ کیسے بدلی۔
پربھا۔ راجکمار بلبیر کے پتاجی سے ہمارے مہاراج کی آن بن ہوگئی؟
راجکماری۔ مگر بلبیر کے پتا جی کا سُرگباش ہوچکا۔ اور راجکمار نیردوش ہیں۔ اب مہاراج ہمارے پریم بندھن کو کیوں توڑتے ہیں۔
پربھا۔ راجکماری تمہارا رشتہ ایک بڑے راجکمار سے جوڑتے ہیں۔
راجکماری۔ بس پربھا۔ چُپ رہو۔ اپنے مہاراج سے کہدو یہ کبھی نہ ہوگا۔ مجھے انکار ہے ــــ!
پربھا۔ مہاراج نے راناجے مل کو بیاہ کا بچن دیا ہے۔
راجکماری۔ اُنھیں توڑنا پڑے گا۔
پربھا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے راجکماری؟
راجکماری۔ پہلا بچن کیسے ٹوٹا۔
پربھا۔ بیاہ کے اقرار کو انکار سے بدلنا لاج کو بے آن کرنا ہے۔ یہ تمھارے ماتا پتا کی آن ہے۔
راجکماری۔ اور میرے پریم کی آن ــــ (کھسیانی آواز ہانا بانا)

اِس کو کچل ڈالیں ۔

پربھا ۔ وہ کہتے ہیں ۔ راجکمار بلبیر کے ساتھ تمھاری سگائی تو نہیں ہوئی ۔

راجکماری :۔ سگائی —— پربھا کیا بیاہ کا بچن دینا سگائی سے کم ہے ۔ کیا اُنھوں نے راجکمار بلبیر کے پتاجی سے ۔۔

۔۔۔۔۔۔۔

پربھا :۔ ہاں راجکماری —— راجکمار بلبیر کے ساتھ تمھاری سگائی کی بات پکّی ہو چکی تھی —— !

راجکماری :۔ پھر —— پتاجی نے اُسے کیوں بدلا —— ؟

پربھا :۔ اس لئے کہ دونوں راجدھانیوں میں جھگڑا ہو گیا ۔ پہلا سا میل ملاپ نہیں رہا ۔

راجکماری ۔ جھگڑا —— بلبیر کے پتا راجہ کرم ویر سے ہوا تھا ۔ راجکمار سے نہیں ہوا تھا ۔ اور اب وہ نہیں پربھا ۔ تو نے اُنھیں یہ نہ سمجھایا ۔ آہ ! تجھے میری بپتا پر کچھ بھی ترس نہ آیا —— میری سکھی ہو کے ان کی طرفدار ہے ——

پربھا ۔ نہیں راجکماری —— داسی کا من تمھارے دکھ سے بیکل ہے ۔ سب جتن کر ہاری —— مہاراج اور رانی جی کو تمھارے دکھ سکھ ساری اونچ نیچ بتائی ۔

پر وہ راضی نہ ہوئے۔

راجکماری۔ راضی نہ ہوئے ــــ اور مجھے اپنے ضد کی بھینٹ چڑھانے کو راضی ہیں ہ

پربھا۔ راجکماری ــ تمھیں ان کی خوشی کا دھیان کرنا چاہیئے۔

راجکماری۔ (بپھر کر) اور انھیں اپنے پہلے بچن کا اور میرے سکھ چین کا کچھ دھیان نہیں!

پربھا۔ وہ تمھارے سُکھ چین کے لئے ہی سب کچھ کر رہے ہیں۔

راجکماری۔ پربھا ــــ (لمبا سانس) پربھا! یہ تم کہہ رہی ہو ــــ تم جانتی ہو ــ یہ میرے سُکھ چین کی باتیں ہیں ــ آہ ــــ مجھ سے سب آنکھیں پھیر رہے ہیں۔ تم بھی بدل گئیں۔ پر یہ تمھاری خطا نہیں میرے نصیب ......

پربھا۔ میری پیاری راجکماری ایسی باتیں نہ کرو۔ میں تمھاری سیوا کے لئے ہر گھڑی تیار ہوں۔ پرنتو مہاراج کی مرضی سے لاچار ہوں۔

راجکماری۔ اور میں مہاراج کے پہلے بچن سے لاچار ہوں۔

پربھا۔ راجکماری ــــ ماتا پتا سے ضد اچھی نہیں۔ ابھی راجکمار آئیں گے۔ تم انھیں اپنی مجبوری بتا دو۔ اپنے من کو ڈھارس دو اور انھیں بھی سمجھا دو۔

راجکماری۔ آہ ــــ میری مجبوری ــــ بے بسی ــــ پریم

سدھی کو توڑ دوں۔ بچپن کے ساتھی کو چھوڑ دوں۔ اور غیر کی ہو جاؤں۔ نہیں تو دھرم کی پاپن۔ نرلج۔ بے شرم کہلاؤں۔
آہ! بھگوان راجکماری سے بھکارن ہونا بھلا تھا۔

پربھا۔ راجکماری ہو یا بھکارن —— لڑکی اپنا ور آپ نہیں چن سکتی۔ ماتا پتا اپنی مرضی سے سب کچھ کرتے ہیں۔ انھیں کی خوشی سے بیاہ ہوتا ہے۔

راجکماری۔ اس طرح نامراد اور بے آس کرنے کا نام بیاہ رکھا ہے۔ ساری عمر لڑکی کو گذارنی اور ماتا پتا اپنی مرضی سے سب کچھ کریں۔

پربھا۔ راج کماری۔ ہمارے دیش اور سماج کی یہی رسم ہے۔ اور یہی ہوتی آئی ہے۔

راجکماری۔ آنکھوں پر پٹی باندھنے کا نام اندھے سماج نے رسم رکھا ہے۔ پربھا! میں اس کو توڑ کے دکھاؤں گی۔ جان دے کے پریم بچن کو نبھاؤں گی۔

پربھا۔ راجکماری! ماتا پتا کی خوشی کو غم سے نہ بدلو۔ کل تمھاری برات آئے گی۔

راجکماری۔ خوشی اور غم دنیا میں ساتھ ساتھ ہیں پربھا! کل برات آئے گی۔ یا آج برات جائے گی۔ کسے خبر ہے؟

پربھا۔ (گھبرا کر کسی برے خیال کے ڈر سے) راجکماری —— آج کیا ہوگا!

راجکماری - کون جانتا ہے - کیا ہوگا! جب سمے آئے گا تو دیکھا جائے گا -

پربھا - میری اچھی راجکماری - کوئی بری بات تو نہیں سوچی ہے - دیکھو تمھاری خوشی کے لئے داسی نے راجکمار بلبیر کو آج بُلایا ہے -

راجکماری - تم نے مجھ پر بڑی دیا کی - پربھا!

پربھا - تم کیا کہہ رہی تھیں راجکماری - مجھے بتا دو - راجکمار ابھی آئیں گے - اُن سے باتیں کر کے جلدی راج محل کو چلنا - اچھا میری راجکماری - نہیں تو دیر ہونے سے مہارانی جی مجھ پر بھی خفا ہونگی -

راجکماری - راج محل میں - کیا خبر ہے پربھا - میں کہاں جاؤنگی -

پربھا - دیکھئے کوئی ایسی بات نہ ہو راجکماری - میں کہیں کی نہ رہونگی! مجھے اِن باتوں سے ڈر لگتا ہے "

راجکماری - پربھا - مجھ ابھاگنی کے لئے کیوں ہراس ہوتی ہو - تم راج محل میں اِن خوش ہونے والوں کے پاس جاؤ - جنھوں نے اپنی ضد اور اپنی آگیا کے لئے میرے نصیب کی خوشی چھین لی -

پربھا - نہیں نہیں راجکماری! میں تمھیں یہاں اکیلا چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گی - میری خوشی تمھارے ساتھ ہے -

راجکماری ۔ میری خوشی ۔ ختم ہو چکی !
پربھا ۔ دیکھو راجکماری ۔ کچھ آہٹ ہے ۔ کوئی ادھر ہی آ رہا ہے ۔ شاید راجکمار بلبیر ——
راجکماری ۔ ہاں آواز تو بہت قریب ہے ۔
پربھا ۔ وہ آ گئے ۔ وہ سامنے اُس پیڑ کی آڑ میں ——
راجکماری، میں اُدھر جا کے تمہاری راہ دیکھتی ہوں ۔ راجکمار آ گئے ہیں ۔ تم اِن سے باتیں کر لو ۔ اور محل چلنے کو جلدی آنا ——
راجکماری ۔ پرماتما ! تو نے کیسی دیا کی میرے پیارے کو مجھسے ملا دیا ۔ اب تو ہی جانے، ہمارے پریم کی کلیاں کھلیں گی یا مُرجھا کر خاک ہو جائیں گی !

(سامنے راجکمار کا آنا)

راجکمار بلبیر ۔ آہا ! چندرماں کتنا ہی اپنے روپ کو چھپائے ۔ دور رہے ۔ مگر چکور کی آنکھیں اُس کو ڈھونڈھ لیتی ہیں ۔
راجکماری ۔ (خود) کون راجکمار آ گئے —— (ظاہر) چندرماں تو آکاش پر ہے ۔ چکور ۔ اُسے باغ میں کیوں ڈھونڈھنے آئے ۔
راجکمار ۔ چندرا پیاری ! آکاش پر میرے باغ کے چندرماں کا سروپ ہے ۔ اصلی چندرماں تو باغ میں براجمان ہے ۔
راجکماری ۔ آہا ۔ راجکمار اپنی باتیں کر رہے تھے !

راج کمار :۔ نہیں ۔۔۔ اپنی پران پیاری چندرا رانی کے منوہر سروپ کی!
راجکماری :۔ راجکمار۔
راجکمار :۔ راجکماری ۔۔۔ ہیں تم رو رہی ہو ۔۔۔ یہ آنسو خوشی کے ہیں ۔ یا میرے آنے سے خفا ہو گئیں ۔ اسلئے ۔۔۔
راجکماری :۔ (بھرائی ہوئی آواز) پریم کے سوگ میں ۔
راجکمار :۔ سوگ ۔۔۔ کیا کہہ رہی ہو چندرا ۔۔۔ مدت کے بچھڑے پریمی من آج ملے ہیں ۔ ابھی پریم کی کلیاں کھلنے والی ہیں ۔ یہ تو خوشی کا سمے ہے ۔
راجکماری :۔ پریم کی کلیاں ۔۔۔ ؟ راجکمار ۔ آج یہ کلیاں آشا کے سپنوں میں کھیل رہی ہیں ۔ کیا خبر ہے کھلنے سے پہلے کچل دی جائیں ! سپنوں کی پتیاں بکھر جائیں ۔ نہ جانے تم کہاں ہو ۔ میں کہاں ؟
راجکمار :۔ راجکماری یہ کیا ۔۔۔ (آواز بھرا گئی)
راجکماری :۔ ہیں ۔۔۔ کیا ڈر گئے راجکمار ۔ یہ آنسو کیوں ۔۔۔ ؟
راجکمار :۔ چندرا ۔ چاہتی ہو دل کے ٹکڑے ہوں اور آواز نہ نکلے ۔ جگر زخمی ہو اور خون نہ بہے ۔
راجکماری :۔ میں بے بس ہوں راجکمار ۔۔۔ کشما کرو ۔
راجکمار :۔ پیاری چندرا ۔۔۔ یہ وہی باغ ہے جہاں ہم تم بچپن میں خوشی خوشی کھیلا کرتے تھے ۔ اسی جگہ ہم نے پیار کا

سہاؤنا گیت گایا تھا۔ تمھیں یاد ہے ——

(جیسے پہلا زمانہ یاد آ رہا ہے)

راجکماری :۔ ہاں ۔ پیار کا سہاؤنا گیت ۔ اور دنیا اُسے سن کے جل گئی۔
ماتا پتا کی آ گیا ہے اُسے بھول جاؤ ۔ اور نیا راگ گاؤ ۔ !

راجکمار :۔ بھول جاؤ —— کیسے ؟ چندرا کیا تم مجھے بھول جاؤ گی ——

راجکماری :۔ ماتا پتا کی خوشی ہے —— کل برات آئے گی ۔
پربھا کہتی ہے ۔ میرا بیاہ ہو گا۔

راجکمار :۔ آہ ۔ یہ میں کیا سُن رہا ہوں چندرا —— تم کیا کہہ رہی ہو ۔ کیا مجھے بے آس چھوڑ رہی ہو ——

راجکماری :۔ دنیا کی ریت ہے ۔ اپنی پریت کو بُھلا دو ۔ ! اور نیا ناتا جوڑ لو ۔ !

راجکمار :۔ چندرا ۔ پیاری ۔ کیا خبر تھی ہمارے سپنوں کے تار اس طرح بکھر جائیں گے ۔

راجکماری :۔ راجکمار ! پرش ہو کر تم ایسے ہراس ہوتے ہو ۔ مجھے ڈھارس دو ۔ بے آس نہ ہو !۔

راجکمار :۔ پیاری چندرا ! میرے لئے آس کہاں ۔ جب تم ہی میری نہ ہو سکیں تو اس سنسار میں میرا کیا سہارا !

راجکماری :۔ پریتم تم میری رہی سہی آس بھی کھو رہے ہو ۔

راجکمار:۔ راجکماری تمہارے روٹھنے سے میری آشا کا دوپا بند ہو گیا۔ اب میں کیا کروں ۔

راجکماری:۔ پرنتو۔ میں اپنے پران پیارے سے کبھی نہیں روٹھ سکتی ۔

راجکمار:۔ چندرا۔ کیا سچ سچ تم مجھ سے جُدا ہو جاؤ گی۔

راجکماری:۔ نہیں کبھی نہیں راجکمار میں تم سے جدا نہیں ہو سکتی۔

راجکمار:۔ آہ! کیا سچ ہے چندرا ــــ! تمھیں اپنا پرانا بچپن ــــ

راجکماری:۔ (اکدم) یاد ہے ۔میں اپنا بچپن نہیں بھول سکتی ۔

راجکمار:۔ ہم نے وعدہ کیا تھا۔ سدا دونوں ساتھ رہیں گے ــ

راجکماری:۔ ہاں ــ سدا ساتھ رہیں گے ۔

راجکمار:۔ پرنتو اب تم ــــ

راجکماری:۔ کچھ نہیں راجکمار ــــ اب بھی میں تمھاری ہوں اور سدا تمھاری رہوں گی ۔

راجکمار:۔ میری راجکماری ــــ!

راجکماری:۔ (سرگوشی سے) میرے راجکمار ــ سنو میرے پاس آؤ۔ کوئی سُن نہ لے ۔

(دونوں سرگوشی سے باتیں کرتے ہیں)

(وقفہ)

(آواز سے) بس ۔

راجکمار:۔ (آواز سے) آہا ــ پرماتما میں کتنا بھاگوان ہوں ــ پرنتو

تمہارے ماتا پتا۔

راجکماری :۔ "مجھے ڈر نہیں، پرنتو میرے پریم کی آن نہیں بدلے گی"

راجکمار :۔ پھر سوچ لو راجکماری۔

راجکماری :۔ سوچ لیا زبان نہیں بدلے گی ـــــ

راجکمار :۔ "میری پریم رانی۔ ہمارے پریم سپنوں کا اُتر مل گیا ـــــ (جانا)

دوسرا منظر

(رانا بلبیر کا راج محل۔ سہاگ کی رات۔ راجکماری چندراوتی اُسی رات رانا بلبیر کے ساتھ اُس کی راجدھانی میں آپہنچی ہے اور اب دونوں کا بیاہ ہو چکا ہے۔ اس وقت دونوں راج محل میں موجود ہیں۔ باہر باجے بج رہے ہیں۔ اور رانا بلبیر کے بیاہ کی خوشیاں منائی جارہی ہیں)

راجکمار :۔ راجکماری ـــــ نہیں اب تو رانی چندراوتی ہو۔

راجکماری :۔ پریم راج کے آدھین آئی ہوئی داسی کہو۔ مہاراج۔

راجکمار :۔ پریم رانی ـــــ!

راجکماری :۔ پران ناتھ! میرے سوامی!

راجکمار:۔ چندرا رانی! ہمارے پیار کی کلیاں کیسی بہاریں کھلیں اور میری پیاری تم نے اپنے سُندر کومل ہاتھوں سے پریم کی مالا گوندھ کے اپنے پریمی کے گلے میں ڈالی۔

راجکماری:۔ اور پران پیارے مجھے پریم راج مل گیا۔

راجکمار:۔ "اس راج محل میں پریم رانی کے چرنوں سے کیسی شوبھا ہے!!"

راجکماری:۔ ناتھ یہ سب پریم دیوتا کی کرپا ہے۔

راجکمار:۔ چندرا رانی! ایسا معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں پریم راج ملنے کی خوشی میں سارا سنسار ناچ رہا ہے۔ آکاش ہنس رہا ہے۔

راجکماری:۔ بھگوان ہمیں خوشی رکھیں سوامی! کہتے ہیں آکاش کا ہنسنا۔ (رک گئی)

راجکمار:۔ کیوں پیاری چپ کیوں ہوگئیں۔ کیا ہوا۔ ہیں آنکھوں میں آنسو! چندرا!! کیا دکھ ہے! بولو۔

راجکماری:۔ "دکھ کچھ بھی نہیں پرتیم! پریم کے بناتے ہوئے سورگ میں جسے رہنا نصیب ہو وہ سوبھاگیہ وتی کبھی دکھی نہیں ہو سکتی۔ میری آتما کی ٹھنڈک جیون کا سکھ تمہارے ساتھ ہے۔

راجکمار:۔ تو پھر یہ آنسو کیوں؟۔

راجکماری:۔ آکاش کی ہنسی کے ڈر سے۔ پران ناتھ جب پھول ہنستے

ہیں تو آکاش جل اُٹھتا ہے۔ اور اُس کی بُری نظر سے
پھول کمہلا جاتے ہیں۔ کہیں ہماری خوشی پر اس کا ہنسنا
کوئی رنگ نہ لائے۔

راجکمار:۔ پیاری چندرا یہ سنسار کی رچنا ہے۔ اس خوشی کے وقت
ان باتوں کا کیا سوچنا۔!!

راجکماری:۔ ہے بھگوان ——— باغوں میں پھول ایسے ہی کھلے رہیں۔
آکاش پر تارے چمکتے رہیں۔

راجکمار:۔ اور ہمارے پریم کے پھول سدا ہنستے رہیں۔ ہماری سہاگ
کی رات کا چاند یونہی چمکتا رہے۔

راجکماری:۔ ایشور یہ سہاؤنا سمے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(بات ختم نہیں کرنے پائی تھی کہ جنگی باجے کی آواز اور
گھنٹے بجنے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ رانا بلبیر گھبرا کر
داخلت کرتا ہے۔)

بلبیر:۔ ہیں۔ یہ آوازیں کیسی ہے؟

راجکماری:۔ ہے بھگوان ——— سہایتا ——— !

دوارپال:۔ (باہر سے آواز) مہاراج کی جے ہو۔ !

رانا بلبیر:۔ کون دوارپال کیا ہے۔ اندر آؤ۔

دوارپال:۔ (گھبرایا ہوا) مہاراج سوار خبر لایا ہے۔ روپ نگر کے
راجہ جیت مل نے ہماری راجدھانی پر چڑھائی کی ہے۔

ان کی سینا بڑھی چلی آ رہی ہے۔ سیناپتی جی نے
تیاری کے گھنٹے بجوا دئے ہیں۔ ہماری سینا اکٹھی
ہو رہی ہے۔

بلبیر :۔ راجہ جیت مل نے چڑھائی کر دی۔ میں جانتا ہی تھا۔
اُنھیں ہمارے آنے کی خبر ہو گئی ہو گی۔ کچھ ڈر نہیں
دوارپال کیا ہماری سینا تیار ہے۔

دوار پال :۔ جی سب تیار ہیں۔ مہاراج کا انتظار ہے۔

چندرا :۔ سوامی دیکھا آکاش کا ہنسنا۔ ہمیں رلانے کو تیار ہو گیا۔

رانا بلبیر :۔ گھبرانے کی بات نہیں چندرا۔ اچھا دوارپال سیناپتی جی سے
کہو ہم ابھی آتے ہیں۔ جاؤ ــــــ

دوارپال :۔ جو آگیا مہاراج۔

راجکماری :۔ ایشور یہ کیا ہوا۔ سوامی تم کہاں جاتے ہو؟

رانا بلبیر :۔ تمہارے پتا جی سے لڑنے۔ تم نے سُن لیا چندرا وہ تمھیں
مجھ سے چھین کے لے جانے آئے ہیں۔

راجکماری :۔ مجھے لے جانے۔ وہ میرے لئے ہزاروں نردوش جانوں کا
خون کیوں بہاتے ہیں۔ میرے پران انھیں دے دو۔
وہ خوش ہو کر چلے جائیں۔ میں جیتے جی تم سے الگ ہو کر
کہیں نہیں جا سکتی۔

رانا بلبیر :۔ رانی۔ میرے جیتے جی تم پر کیسے آنچ آ سکتی ہے۔

اچھا۔ فوج میری راہ دیکھ رہی ہوگی۔ مجھے جلدی
جانا چاہیئے۔

راجکماری:۔ پر مجھ دکھیا کو کس پہ چھوڑ کے جاتے ہو۔ کیا مجھے یہاں
بے سہارے چھوڑنے کو لائے تھے سوامی۔ میں تمھیں
کہیں نہ جانے دوں گی۔

رانا بلبیر:۔ رانی۔ یہ راج کی آن بچانے کا سمے ہے۔ فوجیں میری
راہ دیکھ رہی ہیں۔

راجکماری:۔ فوجیں کس لئے ہیں مہاراج۔ راج کی آن کے لئے وہی
لڑیں۔ تم نہ جاؤ۔

رانا بلبیر:۔ رانی۔ فوجیں راجہ کے لئے لڑتی ہیں۔ راجہ محل میں سکھ
چین سے بیٹھا رہے اور پرجا لڑائی میں کٹ مرے کیسی
شرم کی بات ہے۔

راجکماری:۔ آہ مہاراج۔ تم جا رہے ہو۔ مجھے چھوڑ کے۔"

رانا بلبیر:۔ نہیں رانی۔ تم میرے من میں بسی ہو۔ تم کیسے چھوٹ
سکتی ہو۔! دیش کی سیوا کرنا ہے۔ ایشور جانتا ہے تمہارے
پاس سے کس دل سے جا رہا ہوں۔ مگر راج کی لاج کے
لئے ضروری جاتا ہے۔

راجکماری:۔ تو یہ لڑائی دیش اور راج کے لئے نہیں۔ میرے لئے ہے۔
مجھے بھی ساتھ لے چلئے۔ آپ کے دشمنوں کو لڑائی میں

اکیلا بھیجتے میرا جی کانپتا ہے۔

رانا بلبیر :- رانی کچھ چنتا نہ کرو۔ میں ابھی دشمنوں کے دانت کھٹے کرکے انھیں بھگاتا ہوں۔ اور خوشی خوشی جلدی لوٹ کے آتا ہوں۔

راجکماری :- بھگوان ایسا ہی کرے۔ پرنتو اپنے پران پیارے کو دشمنوں میں کیسے جانے دوں۔

رانا بلبیر :- چندرا پیاری گھبرانے کی بات نہیں۔ باتوں میں سمے گذر رہا ہے۔ من کو ڈھارس دو۔ تم ویر رانا کی استری ہو۔ ویر بنو۔!

راجکماری :- میں آن کے لئے اپنے پران بھی دے سکتی ہو۔ پرنتو اپنے پیارے پر آنچ آتے نہیں دیکھ سکتی۔

رانا بلبیر :- بس چندرا —— بس۔ دیر ہونے سے ہماری سینا ہراس ہوگی۔ لو رخصت۔ ایشور کو سونپا ——

راجکماری :- آہ —— اچھا! پریتم جاؤ۔ راج کی آن بچاؤ۔ میری چنتا نہ کرو۔ پرماتما میرے سوامی کی جے ہو۔

رانا بلبیر :- چندراوتی رانی کی جے ہو!۔

راجکماری :- آہ! جس کا سوتج تھا وہی ہوا۔ آکاش نے جل کر ہماری خوشی کو غم سے بدل دیا —— سہاگ کی رات —— لڑائی کی رات ہے۔ ابھری ہوئی پرنتو پتا جی کو کس نے خبر دی

کہ میں یہاں آئی ہوں - شاید پر بھانے اپنی جان کے ڈر سے
سارا بھید کھول دیا - پتاجی ——— مجھے لے جانے آئے
ہیں - میرے پریتم - میرے پتی کا خون بہا کر مجھے لیجانے
آئے ہیں - ہونہہ وہ دھوکہ میں ہیں! میں اپنے پرم دھرم
کو نہیں چھوڑ سکتی - لڑو - لڑو - پریتم لڑو - پتاجی تیار ہو -
سنسار کی کوئی شکتی مجھے یہاں سے نہیں لے جا سکتی
——— میں اپنی آن نہیں توڑ سکتی - اپنے پتی دیوتا کو نہیں
چھوڑ سکتی -

تیسرا منظر

(دوسرے دن شام - لڑائی شروع ہونیکے بعد)

(راج محل میں رانی چندرا گھبرائی ہوئی ٹہل رہی
ہے - لڑائی چھڑی ہوئی ہے - ایک طرف پتا اور دوسری
طرف پتی - رانی کے لئے ہار اور جیت دونوں ایک معمّہ
ہے - اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کے لئے پرارتھنا
کرے -

دواریال تھوڑی بعد آکر لڑائی کی خبر سناجاتا

ہے۔ جس سے رانی اور گھبرا جاتی ہے۔ لڑائی خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔)

چندرا :- نہ جانے لڑائی کب تک چھڑی رہے گی۔ بھگوان۔ سہاگ رات، رن کی رات بنی۔ پریتم کو رن میں گئے ایک رات اور ایک دن بیت گیا۔ پرماتما رن کا میدان سجا ہوا ہے۔ کیا یہی پریم کی مایا ہے۔ تیری رچنا یونہی رہے گی ماں یہ میرے بیاکل من کو کل کب ملے گی۔؟

(دوار پال کا داخلہ)

دوارپال :- مہارانی جی کی جے ہو۔ رن کا میدان لہولہان ہو رہا ہے۔ گھمسان کی لڑائی چھڑی ہوئی ہے۔

رانی :- (مایوسانہ) اچھا دوارپال! تیرے پاس اس خبر کے سوا اور کیا ہے۔ جا اور لڑائی کی خبر رکھ —— رن کا میدان لہولہان۔ ادھر پتی دیوتا۔ اُدھر پتا بھگوان...... پرماتما کس کی جیت سے میرا من کل پائے گا۔ مجھے دونوں آنکھوں کے سمان پیارے ہیں۔ میرے ہردے آکاش کے دونوں چمکتے تارے ہیں۔ آہ پتا جی یہ جھگڑا نہ ڈالتے تو کیا بگڑ جاتا۔ مجھ ابھاگنی کو بھول جاتے —— سمجھ لیتے پتری مر گئی۔ مگر۔ سماج کو تو خون کی ندیاں بہانا ہی بھاتا ہے۔ بھگوان میرے پریم دیوتا کے درشن کب ہوں گے؟

(رانا بلبیر کا آنا)

رانا :- میری دیوی تمہارا پریمی آپہنچا۔

چندرا :- سوامی تم آگئے۔ میدان کس کے ہاتھ رہا۔ تم جیت گئے۔ پتاجی کہاں!

رانا :- کون جانتا ہے رانی "میدان کس کے ہاتھ رہے۔ لڑائی بُری طرح چھڑی ہوئی ہے"

چندرا :- لڑائی چھڑی ہوئی ہے۔ اور تم یہاں۔

رانا :- ہاں رانی۔ لڑائی کا رنگ بگڑا جا رہا ہے۔ میں ایک بار تمہارے درشن کے لئے!

چندرا :- میرے درشن کے لئے۔ مہاراج لڑائی چھوڑ کے۔

رانا :- چندرا تم بن لڑائی کا میدان سونا دکھائی دیا۔

چندرا :- اس لئے مہاراج یہاں آگئے۔ میدان سے مُنہ موڑ کے۔

رانا :- تمہارا پریم یہاں کھینچ لایا رانی۔

چندرا :- میرا پریم! رن میں خون کی دھاروں سے پریم کی پیاس بُجھاتے سوامی! لڑائی کے میدان سے پیٹھ دکھا کر نہ آتے ——

رانا :- تمہارے درشن بغیر پریم کی پیاس نہیں بجھ سکتی۔

چندرا :- دھتکار ہے مہاراج میرے درشن پر۔ جس نے راجہ کو رن کے میدان سے منہ موڑنے پر مجبور کیا۔ دھت ہے ایسے پریم پر جس نے راج کی آن کا اپمان کیا۔

رانا :- رانی تم نے ہی کہا تھا جلدی لوٹ کے آنا۔
چندرا :- پرنتو لڑائی سے پیٹھ دکھا کے نہیں۔
رانا :- میں پیٹھ دکھا کے نہیں آیا رانی۔ کیول اپنی پرتیما کو ایک بار دیکھنے آیا ہوں۔! اور ابھی (لوٹ کر) لڑائی میں جا رہا ہوں۔ نہ جانے پھر لوٹ سکوں یا نہیں !۔
چندرا :- نہیں ایشور کرے تم جیت کر آؤ۔ ....
....
.....
... مجھے دیکھنے آئے۔ اس لئے میں اپراَدھی ہوں۔ میں نے ہی سور بیر رانا کی آن پر دھبّہ لگایا ہے۔ تلوار اُٹھاؤ سوامی! پہلے میرا سر اُڑاؤ اور فوج کے پاس میدان میں جاؤ۔
رانا :- رانی یہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ کیا میرے لڑائی میں جانے سے خفا ہو گئیں۔
چندرا :- نہیں مہاراج! لڑائی سے بے وقت لوٹ آنے پر۔
رانا :- چندرا یہ طعنوں کا وقت نہیں۔ آہ یہ ہماری سہاگ کی راتیں اور سُکھ بھوگنے کے دن تھے۔ چندرا میں تمہارے سُہاگ کے آخری درشنوں کو آیا ہوں۔ تمہیں کیا خبر لڑائی کا کیا حال ہے۔
چندرا :- ناتھ ایسے نہ کہو۔ میرا ہردے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ پرنتو

تمھارے راج کی آن کا دھیان ہے۔ آج رَن کے
میدان میں کتنی سہاگنوں کے سُہاگ اُجڑ گئے۔ کتنی ماؤں
کے نردوش سپوت موت کی نیند سوئے۔ اور ان سے
بچھڑ گئے۔ راجہ کا سُکھ پرجا کا سُکھ ہے۔ جاؤ سوامی
پہلے انھیں بچاؤ۔ یہ سب ہمارے لئے ہو رہا ہے۔

رانا:۔ دھنیہ ہو۔ رانی چندرا دھنیہ ہو تو میری سچّی رانی ہے۔

چندرا:۔ شما کرو مہاراج۔ مَیں رَن سے پیٹھ موڑ کے آنے والے
راجہ کی رانی نہیں۔ مَیں تمھارے محل میں ست بچن کو نبھانے
آئی۔ یدی اپنے پریم سے اب تمھارے راج کی آن گنوائی
تو میں مہاراج کے یوگیہ نہیں۔ پہلے راج اور پرجا کو
دیکھئے۔ پریم کا سپنا سُکھ چین سے دیکھنے کا ہوتا ہے۔

رانا:۔ سچ ہے چندرا رانی " تو دیوتا اور پریم کی مورتی ہے۔
میں تیرے یوگیہ نہیں۔! میں نے بے وقت پریم کی راگنی
سے اپنے آپ کو۔ راج کو اور تجھے بے آن کیا۔ تو
سیتہ ونتی پریم دیوی ہے"۔

چندرا:۔ میں داسی ہوں مہاراج۔ تم میرے رکھشک ہو میرے
سر کے چھتر ہو۔ اس بھرے سنسار میں میرا سب کچھ
تم ہو سوامی۔ پر تو یہ تمھارے راج کی لاج بچانے کا
سمے ہے۔

رانا:۔ چندرا! چندرا!!

چندرا:۔ مہاراج! داسی کی اچھیا ہے یہ تلوار مجھے دو۔ میں نے اپنے راج کا اپمان کیا ہے۔ مجھے بھی رن میں جانے دو۔ ابھاگنی سہاگن کو کام آنے دو۔ یہ ہمارے سہاگ کا دان ہوگا۔

رانا:۔ نہیں نہیں چندرا۔ پیاری تم راج محل کو دیکھو اب میں خوشی خوشی جاؤں گا۔ اپنی رانی کو بہت آزمالیا۔ اب سکھ چین اور شانتی سے رن میں لڑوں گا۔ اور پریم راج کی بھینٹ چڑھ جاؤں گا۔

چندرا:۔ مہاراج میری چنتا نہ کرو۔ خوشی خوشی جاؤ اور ہنستے ہوئے جے مالا پہن کر آؤ۔

رانا:۔ مجھے جلدی جانا چاہیے۔ چندرا رانی خوش رہو میری سہاگن۔! آخری درشن۔

(گھوڑے کے ٹاپوں کی آوازیں آہستہ آہستہ دور ہو جاتی ہیں)۔

چندرا:۔ بھگوان میرے سوامی کی جے ۔۔۔ چلے گئے!! (خود بخود) آہ! چلے گئے ۔۔۔ سوامی۔ مجھے دیکھنے راج محل میں آئے۔ اور میں نے اُلٹے پاؤں لوٹا دیا۔ کیا یہ سپنا دیکھا میں نے ۔۔۔ میرے پریم پتی

سچ مچ آئے تھے کیا! ــــ چندراد یوانی یہ تو نے کیا کیا۔ وہ روٹھ نہ جائیں پرنتو ٹھیک کیا۔ ان کو رو کر راج کی لاج نہ گنوائی۔ یہ لڑائی کا سمے ہے۔ پیار کا نہیں۔ راجہ کو سنیا کے ساتھ ہونا چاہئے۔ استری کا ستیت پریم سے نہیں اُس کی آن سے ہے۔ اپنے پتی کی لاج رکھنا اُس کی آن پر اپنے سُکھ چین کو نچھاور کرنا سب سے بڑا پریم اور استری بل ہے۔

(آوازیں)

نجانے لڑائی کا کیا ہو۔ میرے سوامی کی رکھشا کرو ــــ بھگوان راج کی سہائتا۔

دوارپال:۔ (گھبرایا ہوا) رانی جی۔ رانی جی۔ راجہ جیت مل کی سینا راج محل کی اور چڑھی چلی آ رہی ہے۔ اور جیکار جیکار کی آوازیں لگا رہی ہے۔

چندرا:۔ جیکار ــــ ہے ایشور یہ کیا ہو رہا ہے ــــ کیا میرے پتی کی سینا ہار گئی ــــ بھگوان میرے سوامی کی سہائتا۔! رکھشا ــــ!!

دوارپال:۔ (گھبرایا ہوا) مہارانی جی ــــ ہمارے راج پر اندھیری چھا گئی۔ ہمارے دشمن راجا کی جیت ہوئی۔

مہاراج ہار گئے ــــ !

چندرا ۔ ہمارے دشمن راجا پتاجی جیت گئے ۔ یہ میں نے کیا سنا ــــ

بھگوان ـــ میرے پریتم ـــ (مداخلت)

دوارپال ۔ (باہر سے آیا ہوا) مہارانی جی ــــــ راج سونا ہو گیا

شوک ـــ ! مہاراج سورگ کو سدھارے ۔

چندرا ۔ بھگوان ـــ میرے سوامی ـــ میرے پریتم ــــــ

روٹھ گئے ۔ میرا راج ۔ میرا سہاگ ـــ میرا پریم لٹ گیا ــــــ

کیا اسی لئے مجھ دکھیا کو سہاگن بنایا تھا ــــــ پرماتما ـــ یہ ہے ۔

میرے پریم کی سہاگ کی شام ــــــــ میرے پتی دیو ـــ

اس سنسار سے اٹھ گئے ۔ میرے پریتم ۔ اپنی ابھاگنی سے ایسے

روٹھ گئے ! ـــ

(ساتھ ساتھ دوسرے لوگ تسلی دیتے جاتے ہیں)

میں نے رن میں جلدی سے لوٹ آنے کو بھیجا تھا ــــــ

یہ کب کہا تھا کہ سدا کے لئے میری آشا کا دروازہ بند کر دو ۔

اور آپ رن میں خون کی دھاروں کا سہرا باندھ کر سورگ کی

اپسراؤں سے جا ملو گے کیا ہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دوارپال ۔ مہارانی جی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمارے مہاراج کی لاش

دشمنوں میں گھری ہوئی ہے ۔ دشمن راج محل میں آرہے ہیں ہم نے محل

میں دروازہ بند کر دیا ہے ۔ پرنتو وہ توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔

چندرا۔ (بات کاٹ کر) میرے سوامی کی لاش دشمنوں میں گھری ہوئی ہے۔ میں خود جا رہی ہوں ــــ کس میں اتنی شکتی ہے جو میرے پریتم کو مجھ سے چھڑا سکے۔ ہم ساتھ رہے ہیں اور ساتھ رہیں گے۔ دوار کھول دو۔ میرے آستا کا دوار بند ہو چکا۔ اب کس کا ڈر ہے ــ دوار پال چلو ــــ میں اپنے پریتم سوامی کو لینے جا رہی ہوں۔

(باہر سے اکدم آوازیں)

(جے ہو مہاراجہ جیت مل کی جے ہو" ــــ شور)

"مارو۔ بھاگو۔ ساتھ ہی راجہ جیت مل کا آنا۔)

راجہ۔ کہاں ہے ــ بتاؤ۔ جلدی بتاؤ ــ راج کماری چندرا کہاں ہے۔

چندرا۔ کون! پتاجی۔ نہیں مہاراجہ جیت مل ــــ

راجہ۔ چندرا کدھر جا رہی ہے۔ ادھر آ۔

چندرا۔ مہاراج کی سبنا سے اپنے سوامی کو لینے۔

راجہ ــ کون۔ سوامی ــــ بلبیر کی لاش ــــ؟

چندرا۔ مہاراجہ بلبیر۔ میرے پتی دیوتا۔

راجہ ــ میری آگیا ہے۔ اس کی لاش کوئی نہ اٹھا سکے ــــ! کس کی بل ہے جو بلبیر کی لاش مجھ سے چھین لے

چندرا ــ مہاراج کس میں بل ہے جو میرے پریم پتی کی لاش کا اپمان کر سکے

راجہ ۔ چندرا۔ تجھے شرم نہیں آتی ۔۔ میرے سامنے یہ بے شرمی !

چندرا۔ پتاجی !
راجہ ۔ پتا؟۔۔ بے شرم لڑکی !۔۔ مجھے پتا کہہ کر پکارتی ہے ۔ اپنے کرتوت
سے نہیں شرماتی ۔
چندرا۔ میں نے اپنے کرتویہ کا پالن کیا !۔۔ اپنے پریم بچن کو نبھایا ! کیا یہی بے شرمی
ہے ۔۔ پتاجی ۔ آپ نے میرے پتی کی جان لی ۔ پھر بھی میں آپ کو پتا کہہ کر
پکارتی ہوں ۔ میں ابھاگنی آپ کی پتری ہوں ۔
راجہ ۔ منہ پھٹ ۔۔۔۔ تجھے دنیا کی شرم نہ سماج کی لاج
چندرا۔ دنیا کے لوگوں نے اپنی الٹی خوشی منانے اور اپنی بھاری زنجیروں میں جکڑنے
کا نام سماج رکھا ہے
راجہ ۔ تو نے سماج کی رسموں کو مٹایا اور ہمارے نام پر کلنگ کا ٹیکہ لگایا ۔
چندرا۔ آہ پتاجی ۔۔ میرا سہارا چھین کے آپ کی خوشی پوری ہو گئی ۔
میرا سہاگ لوٹ کے آپ کے سماج کے لاج بن گئی ۔۔ مجھے ودھوا
کر کے آپ کی دنیا کا منہ بند ہو گیا ۔۔۔۔ ! میرے سہاگ کے آنسوؤں
سے آپ کے کلیجے میں ٹھنڈک پڑ گئی ۔ اب تو مجھ دکھیاری کو چھوڑ دیجئے
آپ جائیے ۔ اونچے بن کر جگ کے مہاراج کہلائیے ۔ مجھے میرے سوامی
کے چرنوں میں جانے دیجئے ۔
راجہ ۔ میں تجھے لینے آیا ہوں ۔ میں نے تجھے رانا جی کو دیا ہے ۔ اور اسی سے
تیرا بیاہ ۔۔۔۔

نیرا بیاد ۔

چندرا ۔ کشما کیجئے پتاجی یہ نہ ہوا ہے نہ ہوگا ۔

راجہ ۔ چندرا اپنے پتا کا اپمان کرتے نہیں شرماتی ۔

چندرا ۔ پتاجی سر سے پانی گذر جاتا ہے تو شرم نہیں آتی ۔ میں اپرادھی ہوں ۔ مجھے ڈنڈ دیجئے میری گردن اڑا دیجئے ۔ میرا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا ۔ میں اپنے سوامی کا اپمان نہیں سہہ سکتی ۔

راجہ ۔ تو ایسے نہ مانے گی چندرا ــــــ سپاہیو! اس مورکھ لڑکی کو لے چلو

چندرا ۔ خبردار ۔ یدی کسی سپاہیوں نے ہاتھ بڑھایا تو اس کا سر مہاراج کے چرنوں میں ہوگا ۔

راجہ ۔ چندرا تو دیوانی ہو گئی ہے

چندرا ۔ میں دیوانی نہ ہو جاؤں ؟ جس کی آنکھوں پر موت کی چھایا پردہ ڈال رہی ہے وہ کیا دیکھے اور کیسے دیکھے ؟ کشما کیجئے ۔ مہاراج ــــــ مجھے بہت دیر ہو گئی ۔ دوار پال چلو ــــــ مجھے سوامی کا راستہ بتاؤ ۔ چلو جلدی چلو ۔

راجہ ۔ ٹھہر چندرا ۔ تو کہیں نہیں جا سکتی ۔ چاروں طرف پہریدار ہیں ۔

چندرا ۔ (زہر خند) پہریدار ــــــ کسی کے دل پر کوئی پہرے نہیں بٹھا سکتا ــــــ میں اپنے سوامی کے ساتھ جلوں گی ــــ

اسی کے ساتھ مروں گی ۔

راجہ ۔ یہ کبھی نہ ہوگا ۔

چندرا۔ یہ ابھی ہوگا ۔"

راجہ ۔ دیکھوں تو کیسے ۔"

چندرا۔ دیکھئے پتاجی ایسے ۔"

(خنجر مارتی ہے)

راجہ ۔ چلاتا ہے ———— چندرا ————

چندرا یہ تو نے کیا کر ڈالا ۔

(سب دوڑ کر پکڑنا چاہتے ہیں)

چندرا۔ (کراہتے ہوئے زخمی ہوکر)

"آہ پریتم سوامی کی آتما میری راہ تک رہی ہے ۔

میں آرہی ہوں — آہا ہمارے "سہاگ کی شام"

مجھے کشما کیجئے پتاجی —— میں آپ کی اپرادھی

ہوں ۔"

ماتا پتا کو آخری پرنام !

(آخری ہچکی)

آہ چندرا یہ کیا کیا ؟ ——————————

میری ضدی بچی ! بڑھاپے میں یہ داغ بھی کھانا تھا ——

—————— آہ ! ———— یہ کیا ہوا بھگوان

—————— بھگوان !!

(محل میں رونے پیٹنے کا شور و غل)

ضرورت ہے! "محبّت کی

نیم جاسوسی افسانہ

ضرورت ہے اُسے محبّت کی

میری بہن کملا دیوی کی قیافہ شناسی اور سراغ رسانی کی شہرت نہایت مختصر مدت میں چاروں طرف ایسی پھیل گئی تھی کہ پیچیدہ معاملات اہم سے اہم اور معمولی سے معمولی صبح سے شام تک سینکڑوں اس کے پاس لائے جاتے اور وہ نہایت شوق و تجسس سے اس کے سلجھانے میں مصروف ہو جاتی اور جلد ہی کامیابی حاصل کر لیتی۔ ایک دن شام کے وقت کملا بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک صاحب کا خط ملا کہ وہ فوراً آ کسی معاملہ میں اس سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کی مدد کے بغیر ان کی مشکلات حل نہیں ہو سکتیں۔" یہ مقام جہاں کملا طلب کی جا رہی تھی۔ دس پندرہ میل کے فاصلہ پر تھا۔ علی الصباح وہ ضروریات سے فراغت کر کے سیدھی اسٹیشن پہنچی اور منزل مقصود کی راہ لی۔ تھوڑی دیر میں وہ ان کے پاس پہنچ گئی۔ وہ اسٹیشن سے اس کا پرجوش استقبال کر کے مکان لے گئے۔

کملا نے راستہ میں ان سے حالات دریافت کئے۔ جس کے جواب میں انھوں نے ادھر ادھر کی بہت سی باتیں گھبرائے ہوئے لہجہ میں کرنے کے بعد بیان کیا کہ ان کی لڑکی یکایک غائب ہے اور گمان غالب ہے کہ وہ قتل کر دی گئی۔

کملا نے تجسس کے ساتھ اس سے پوچھا۔ "یہ کب کا ــــــ پرسوں شب کا واقعہ ہے" تو آپ نے پولیس کو اطلاع کی ہے ــــــ "ابھی نہیں ــــــ یہ کیوں؟ ــــــ یہ بھی اک راز ہے ــــــ قتل ہونا بھی ابھی پایۂ یقین کو نہیں پہنچا ہے ــــــ لاش کا پتہ بھی نہیں" ــــــ

"تعجب ہے۔ کسی شخص پر آپ کا شبہ ہے"؟ ــــــ

"جی ہاں۔ ایک نوجوان پر شبہ کیا جا سکتا ہے"۔ جو عرصہ سے شادی کا پیغام دینا چاہتا تھا۔

"اچھا مہربانی کر کے ذرا تفصیلی حالات سے مطلع کیجئے" اس نے کہا

"شیاما چرن۔ بہت عرصہ سے اسی فکر میں پڑ رہا تھا۔ اور روزانہ سوبھا کے پاس آتا جاتا تھا۔ میں نے اس کی آمد و رفت اس سلسلہ میں مناسب نہ سمجھی۔ کیونکہ میں اس کا چال و چلن مشتبہ سمجھ کر اس کا پیام قبول کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے سوبھا سے صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ اس کو یہاں آنے سے منع کر دے۔ اور آئندہ کہیں اس سے ملنے کا خیال نہ کرے۔ خود اس سے میں نے صاف طور پر کہہ دیا کہ میرے یہاں نہ آئے۔ اس نے آنا بند کر دیا۔ مگر ڈاک کے ذریعہ خط و کتابت شروع کر دی۔ جس کی اطلاع مجھے بھی ہوئی۔ اور میں نے سوبھا کو سختی سے تنبیہ کر دی کہ اس کے خط کا جواب نہ دے بلکہ ہر خط حفاظت سے مجھے دکھا دیا کرے۔ مجھے قوی امید تھی کہ سوبھا میرے حکم کے مطابق عمل کرے گی۔ لیکن جب میں نے خفیہ تحقیق و تفتیش جاری رکھی تو میرے صدمہ و حیرت کی انتہا نہ رہی۔ مجھے معلوم ہوا کہ سوبھا کی خفیہ طور پر اس سے برابر خط و کتابت جاری ہے۔ اور وہ مجھے ایک خط بھی نہیں دکھاتی ــــــ

بلکہ مجھ سے یہ کہہ دیتی ہے کہ اب کوئی خط میرے پاس نہیں آتا۔ اب میں نے ڈاک کی دیکھ بھال شروع کی اور تہیہ کر لیا کہ اس طرح اس سلسلہ کی نگرانی کرکے سوبھا کو کافی تنبیہ کروں گا۔ اور اس ناگوار معاملہ کا تدارک ہو جائیگا

میرا معمول تھا کہ ناشتہ میں میرے ساتھ سوبھا ضرور بلاناغہ شریک ہوتی۔ اسی معمول کے مطابق میں نے ایک روز ناشتہ کے لئے سوبھا کو بلوایا

تو معلوم ہوا کہ وہ موجود نہیں ہے۔ اب جو دیکھا بھالا تو گھر میں اس کا کہیں پتہ نہیں۔ حواس باختہ اس کے کمرے میں پہنچا تو دیکھا کہ اس کا بستر خون آلودہ ہے۔ اور وہ غائب۔ میرا دماغ ماؤف ہو گیا اور کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ آخر جب کچھ دیر کے بعد ہوش و حواس درست ہوئے تو فوراً آپ کی امداد کا خیال آیا کہ سب سے پہلے آپ سے مشورہ کرکے کوئی مناسب کاروائی پولیس وغیرہ کے ذریعہ کروں۔ کیونکہ رسوائی کا بھی خوف ہے۔ آپ کو اسی لئے تکلیف دی ہے۔ فرمائیے۔ کیا کیا جائے؟"

کملا نے جواب دیا۔ "میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ جب تک حالات کو اچھی طرح سمجھ نہ لوں۔"

اس کے بعد کملا کی تجویز پر سیٹھ جی اس کو اپنی لڑکی کی خوابگاہ میں لے گئے۔ وہاں اس نے نہایت غور سے بستر کی حالت دیکھی۔ بستر خون سے لت پت تھا۔ تھوڑی دیر تک کملا نے موجودہ چیزوں کو دیکھا بھالا اور بستر وغیرہ کے معائنہ کے بعد مخاطب ہوئی۔

میں آپ کو خوش خبری سناتی ہوں کہ آپ کی لڑکی زندہ ہے۔
قتل نہیں ہوئی۔ یہ انسان کا خون نہیں ہے۔ بلکہ کسی جانور کا ہے۔
یہ بھی واضح رہے کہ اس رات کو وہ اس بستر پر سوئی بھی نہیں۔ دیکھئے
آپ خود بھی بستر کے شکنوں کو ملاحظہ کیجئے۔
مسٹر ستیش نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا۔ بولے۔
"ایشور آپ کا خیال سچا کرے"۔ اور وہ واقعی زندہ ہو۔
کملا دیوی میری پریشانی اور تکلیف کا اندازہ مشکل ہے۔
میرے حواس اس وقت ٹھکانے نہیں۔ کہ شکنوں سے کوئی صحیح اندازہ
کر سکوں۔ میرا دماغ ہرگز قابو میں نہیں۔ تو پھر اس کی گمشدگی کے متعلق
آپ کی کیا رائے ہے۔
"میرے خیال میں تو وہ فرار ہو گئی ہے" آپ چاہتے ہیں کہ
میں اس کو تلاش کر لوں اور وہ واپس آ جائے۔" ہاں ہاں ضرور میں
کیا چاہتا ہوں۔
"بہتر ہے۔ میں سوبھا کی اس خادمہ سے چند منٹ گفتگو کرنا چاہتی
ہوں جو اس کے پاس محافظ کی حیثیت سے تھی اس کو ذرا بلا دیجئے۔"
تھوڑی دیر میں وہ خادمہ بھی آ گئی۔ اور کملا نے اس سے بات
چیت شروع کی۔
"دیکھو جی پہلے میں تمھیں یہ خوش خبری سناتی ہوں کہ تمھاری
سوبھا زندہ ہیں۔ انھیں کسی نے جان سے نہیں مارا ہے۔"

اس نے حیرت سے کہا۔ "اچھا ایسا ہے۔ ایشور کی کرپا سے یہی سچ ہو۔"

اس میں شک نہیں کہ تم نے اس کی بڑی نگرانی کی اور نہایت ہوشیاری سے اپنی خدمت انجام دی۔ مگر اس کے باوجود تمہاری نگرانی میں سے غائب ہوگئی۔ خیر جو کچھ ہوا۔ اب تم یہ بتاؤ کہ اس کے سامان میں کچھ خط وغیرہ موجود ہیں۔ ساتھ نہیں لے گئی ہے نا۔"

"جی ہاں ان کے خطوں کی گڈّی رکھّی ہے۔

کملا نے نہایت غور اور احتیاط سے ایک ایک خط پڑھا۔ اور پوچھا یہ لڑکی کون سا اخبار شوق سے پڑھا کرتی تھی۔

"اخبار سنسار"۔

"ذرا اس اخبار کے آخری دس بارہ پرچے مجھے لادو

"بہت اچھا وہ اسے بہت احتیاط سے رکھتی تھیں۔ سب پرچے موجود ہیں۔" اور وہ فوراً مطلوبہ پرچے لینے چلی گئی۔"

کملا نے ان پرچوں کو دیکھا اور اشتہارات نہایت غور سے پڑھنے لگی۔ ہر اشتہار پر بغور نظر ڈالنے کے بعد اس خادمہ سے پوچھا۔

"کیا تم نے سوبھا کی ہدایت پر چند روز ہوئے کسی آدمی کو اشتہار دے کر اس اخبار کے دفتر کو بھیجا تھا

"ہاں بھیجا تھا۔ ان اشتہاروں کو میں نے خوب دیکھ

یا تھا۔ اور میرے خیال میں کوئی شبہ کی بات ان میں نہیں تھی۔
اس پر سیٹھ جی نے نہایت اشتیاق سے پوچھا۔ یہ اشتہار کس مضمون کا تھا۔

خادمہ نے جواب دیا۔ ناول "شہیستی" کی ایک جلد کی ان کو ضرورت تھی۔ اس کے لئے اشتہار دیا تھا کہ کسی کے پاس اس کی کوئی خوبصورت جلد ہو تو ان کے ہاتھ بیچ ڈالے۔ چونکہ میں نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی اور کسی قسم کا شک نہ ہوا۔ اس لئے بغیر پوچھے گچھے اخبار میں چھپوا نے بھجوا دیا۔ اور اشتہار چھپنے کے بعد اجرت بھی ادا کر دی۔

ستیش بابو نے کہا۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے لئے اشتہار چھپوانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کتاب کی نہایت اعلیٰ جلد میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔ کسی دوسری جلد کی ضرورت ہی کیا تھی

خادمہ نے کہا۔ "شاید ان کو خبر نہ ہو گی کہ وہ آپ کے کتب خانہ میں ہے ورنہ وہ چار مرتبہ "پدم لائبریری" متواتر کیوں جاتیں۔ اور اس قدر دقت سے اس کتاب کی ضروری اقتباس کیوں نقل کرتیں۔

کملا اس گفتگو کو غور سے سنتی رہی اور پھر کچھ سوچ کر ستیش بابو سے اس کی تصویر طلب کی۔

تصویر لے کر سیدھی پدم لائبریری پہنچی۔ ناول شہستی کی جلد وہاں سے مستعار لی اور پھر ستیش بابو کے کتب خانہ میں آ کر دونوں کتابوں

کتابوں کو سامنے رکھ کر صفحہ بہ صفحہ مقابلہ کیا۔ اس دوران میں اس نے مختلف نوٹ یادداشت میں درج کئے۔ اور اخبار "سنسار" کے حوالہ جات سے بھی کچھ مدد لی۔ اس کے بعد وہ سیٹھ ستیش چندر سے رخصت ہوئی اور وعدہ کیا کہ بہت جلد زیادہ سے زیادہ تین دن میں ان کے پاس خوشخبری بھیجے گی۔

کئی دن بعد کملا یہاں (مکان) سے تنہا علی الصباح اٹھ کر کہیں گئی اور شام کے قریب واپس آئی، میں نے حالات دریافت کئے۔ لیکن اس نے کوئی خاص بات نہیں بتائی اور نتیجہ کے انتظار تک ٹال دیا۔ آٹھ بجے کا وقت تھا کہ سیٹھ جی کمرے میں داخل ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد ہمارے ملازم کے ہمراہ دو نووارد اندر آئے۔ کملا نے دروازہ تک پہنچ کر ان کا استقبال کیا اور ستیش بابو کی طرف مستفرانہ نگاہوں سے دیکھا اور نہایت پر جوش لہجہ میں کہا۔ "مسٹر نتیاما چرن اور مسز نتیاما چرن۔" اس غیر متوقع آواز کو یکایک سن کر ان نوواردوں کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اور کوئی جواب بن نہ آیا۔

یہی حال سیٹھ جی کا ہوا۔ قیاس بالکل درست و بجا تھا۔ اس وقت ستیش بابو کے غیض و غضب کی کوئی انتہا نہ تھی —— جب انھیں دفعتاً یہ معلوم ہوا کہ ان کی اکلوتی لڑکی نے اس شخص کے ساتھ ان کے خلاف مرضی شادی کر لی ہے جس سے انھیں نفرت تھی اور خط و کتابت تک بند کرائی تھی

ان کی لڑکی اور داماد نے اپنی نارواغلطیوں اور ناگوار رویہ کی معافی مانگی۔ کملا نے ان سب میں صلح کرانے کی بڑی کوشش کی اور اس مسئلہ پر بحث پر تحقیق کرتے ہوئے اس کا بڑا وقت صرف ہوا آخر کامیابی ہوگئی اور جھڑکیوں گھڑکیوں کے بعد ملاپ ہو ہی گیا۔

اب سیٹھ جی نے کملا سے دریافت کیا کہ معاملہ کیا تھا۔ اور یہ تمام حالات کس کس طرح دریافت ہوئے۔

جناب من میں نے اسی روز آپ سے کہا تھا کہ یہ سرخی انسان کے خون کی نہیں ہے۔ کسی جانور کے خون کی ہے اور آپ کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے یہ کارروائی کی گئی ہے۔ مجھے پہلے ہی اطمینان اور یقین تھا کہ سوبھا قتل نہیں ہوئی ہے زندہ ہے اور جب میں نے آپ کی زبانی تمام حالات سنے تو یقین ہوگیا کہ وہ اس نوجوان کے ہمراہ روانہ ہوگئی ہے، اب میں نے اس کے تمام خطوط وغیرہ دیکھے اور اخبار میں اس کی طرف سے ایک اشتہار پڑھا۔ اس سے مجھے ایک خاص خیال کرنے کا موقع ملا۔

میں نے سوچا کہ آخر ایسی کتاب کے لئے اس کو اخبار میں اعلان شایع کرانے کی کیا ضرورت تھی جو بازار میں معمولی تلاش سے دستیاب ہوسکتی ہے یقیناً اس اشتہار میں کوئی خاص راز ہے اور جب میں نے سنسار کے کچھ تازہ پرچے دیکھے تو ان میں چند پرچوں میں ایک اشتہار میری

میری نظر سے گذرا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔
"ناول "شہستی" کی ایک مستند جلد کے دیکھنے کی سخت ضرورت ہے عام ایڈیشن کچھ غلط چھپتے ہیں۔ خاص طور پر ان مقامات پر صحت چاہتی ہوں جہاں شیام بابو کے خطوط اور ان کے جوابات ہیں۔ سنا ہے پدم لائبریری میں صحیح ایڈیشن ملتا ہے۔ کوئی صاحب صحیح طور پر دیکھ کر مطلع کریں۔
میں نے فوراً سمجھ لیا کہ شوبھلا نے اس پردہ میں شیاما چرن کو مخاطب کیا ہے اور جب آپ نے سختی پہرہ بٹھایا ہے ان دونوں کے درمیان خفیہ طور پر اس طرح خط و کتابت جاری ہے۔ اب میں نے اس کتاب کو لائبریری میں جا کر بغور دیکھا اور اس کے درمیانی خطوط کے وہ صفحات پڑھے جہاں 'شیام' نے اپنی روانگی کا ذکر کیا ہے۔ ان خطوط میں اکثر مقامات پر پنسل کے نشانات ملے۔ میں نے ان تمام عبارتوں کو نقل کر لیا۔ اور جب ان کو ترتیب سے کئی کئی مرتبہ پڑھا تو کچھ معلومات اس خاص معاملہ کے متعلق ملتی نظر آئیں۔
اس کے بعد میری تشویش بڑھتی رہی اور اس عجیب سلسلۂ مراسلت پر مجھے حیرت بھی ہوئی۔ مزید انکشاف کے خیال سے میں پھر آپ کے کتب خانہ میں آئی۔ اور وہاں اس کتاب کی ورق گردانی کا ارادہ کیا۔ اس دوران میں میں جب آپ کے مکان کے پائیں باغ سے گزر گئی تھی۔ میں نے راستہ میں ریت کا ڈھیر اور دوربین کا ایک شیشہ پڑا دیکھا میں نے شیشہ اٹھایا۔ یہ ٹوٹا ہوا تھا۔ جس کے دیکھنے سے مجھے خیال ہوا کہ یہ یقیناً کسی بلند مقام سے گر کر ٹوٹا ہے۔ جو اس کے مالک کی بے احتیاطی سے کہیں بہت ہی

اونچی جگہ سے گر گیا ہے۔ میں اسی سوچ میں کھڑی تھی کہ یہ چیز یہاں کہاں سے اور کیوں کر آئی۔ سوچتے سوچتے میرے دل میں یکایک خیال پیدا ہوا کہ اکثر اس طرح ریت کا ڈھیر "غبارہ" کو بے ضرر زمین پر اتارنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے آپ کے باغبان کو بلا کر پوچھا کہ اس نے یہ ریت کا ڈھیر یہاں کیوں لگایا ہے۔ جس کے جواب میں اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ میں نے جب مختلف سوالات کئے تو اس نے کہا کہ اس ڈھیر پر کئی روز ہوئے رات کے وقت ایک غبارہ اترتے دیکھا گیا ہے۔

باغ کا یہ موقع آپ کے مکان کے بالائی منزل سے متصل بالکل کھڑکی کے نیچے واقع ہوتا ہے۔ اور سنا ہے کہ اس میں دو آدمی اترے اور تھوڑی دیر کے بعد ایک عورت اور دو آدمی اس میں بیٹھ کر اڑ گئے۔

اب میرے شبہات میں تقویت پیدا ہوئی کہ سوائے سوبھا اور شیاما کے کوئی ایسے بے وقت یہاں اس طرح "غبارہ" میں نہیں جا سکتا یقیناً یہ انہیں دونوں کا کام ہے۔ میں نے مالی سے پوچھا کہ اس نے خود اس غبارہ کو اور ان آدمیوں کو دیکھا۔ اس سے اس نے انکار کیا اور کہا کہ دوسرے باغ کا ایک مالی ہے۔ وہ اس وقت یہاں آیا ہوا تھا اور میں موجود نہ تھا۔ یہ واقعہ بیان کرتا ہے۔ میں نے اس مالی کو بلوایا اور کل واقعہ پوچھا۔ اس نے آپ کے مالی کے بیان کی تصدیق کی اور اپنی آنکھ سے دیکھنا بیان کیا۔ اس پر میں نے

میں نے سوبھا کی تصویر دکھا کر پوچھا کہ عورت کی صورت اس سے ملتی ہوئی تھی۔ اس نے دیکھتے ہی سر ہلایا۔ کہ بالکل یہی عورت تھی۔ جو غبارہ کے اترنے پر آئی اور ان آدمیوں کے ساتھ بیٹھ کر چلی گئی۔ اب تو تمام شبہات یقین میں بدل گئے۔

میں نے سوچا کہ مسٹر رشیاما چرن کے کچھ دوست بھی اس سازش میں شریک ہیں اور وہی اس دن اس کے ساتھ اس باغ میں بھی تھے۔ اور انھیں کی معرفت تمام ضروری امور طے پائے ہوں گے۔ ان کے بعد پھر میں نے ان خطوط پر گہری نظر ڈالی تو کوئی شبہ باقی نہ رہا۔ کیونکہ خطوط کی نشان زدہ عبارتیں اس واقعہ کی تصدیق کر رہی تھیں۔ اور جو کچھ ان خطوں میں قصہ کے پیرایہ میں بیان ہوا ہے۔ وہ یہاں عملی حیثیت سے پیش آیا۔ اس طرح مجھے یقین ہو گیا کہ سوبھا اور رشیاما دونوں کے دونوں فرار ہوئے ہیں۔ اور چلتے وقت آپ کو مغالطہ میں مبتلا کرنے اور سوبھا کو مقتول ثابت کرنے کے لئے اس کا بستر رنگین کیا گیا ہے۔ اس کے بعد میں نے مختلف طور پر کھوج لگانے کی کوشش کی اور متفرق حالات معلوم ہوئے۔ یہاں تک کہ مجھے تحقیق ہو گیا کہ سوبھا اور رشیاما کی شادی اسی شب ہو چکی ہے جس شب کا یہ واقعہ ہے۔ جس کی صبح کو آپ نے مجھے سوبھا کے غائب ہونے کی اطلاع دی معاملہ مزاحمت کی حدود سے بہت آگے نکل چکا تھا۔ اور ہم ان کا کچھ نہیں کر سکتے تھے

میں نے ان تمام حالات کے بعد آپ کو اطلاع نہ کی کہ مفت میں آپ کو رنج ہوگا۔ کیوں کہ تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ان دونوں نے شادی کے بعد اس واقعہ کی اطلاع عدالت میں باضابطہ کر دی ہے اور مجسٹریٹ اس شادی سے خبردار ہے۔ ان کے خلاف ہم باضابطہ اب کوئی کارروائی نہیں کر سکتے

خیر اب ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہمیں کچھ زیادہ اعتراض بھی نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ شادی باقاعدہ ہو جانا کچھ نامناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اور اب جب کہ سب کچھ ہو چکا ہے تو خواہ مخواہ ضد پہ اڑ جانا عقل مندی نہیں ہے۔ یہ دونوں یہاں سے باہر چلے گئے تھے۔ اور عدالت میں اپنے مقام کی اطلاع بھی کر گئے میں نے ان تمام حالات سے خبردار ہونے کے بعد۔ ان دونوں کو لکھا کہ فوراً چلے آئیں۔ میں انھیں معافی دلا دوں گی۔ لیکن یہ راضی نہ ہوئے۔ پھر میں نے لکھا کہ ان کے سارے حالات سے میں واقف ہوں تو انھوں نے لکھا کہ آپ ہماری پر زور سفارش کا وعدہ کریں اور معافی کا پورا یقین دلائیں تو آنے کو تیار ہیں۔ میں نے فوراً وعدہ کر لیا۔ اور یہ یہاں آ پہنچے۔ جب مجھ سے ملے تو میں نے شیاما سے پہلے اس کی مالی حالت کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے فوراً مجھے بنک کی پاس بک دکھائی۔ جس سے مجھے کافی اطمینان ہو گیا۔ کہ وہ خوش حال ہے۔

بعد ازاں میں نے ان دونوں کو اس وقت یہاں آنے کے لئے مدعو کیا اور آپ کو بھی یہاں آنے کو اس وقت لکھا کہ ایک ہی وقت میں آپ سب یک جا ہو جائیں۔ اور ان کے قصور کی معافی کے بعد مصالحت ہو جائے۔ اب جو کچھ پیش آیا وہ آپ کے سامنے ہے۔ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ آخر میں میں اس پر زور دیتی ہوں کہ آپ بزرگ ہیں۔ نادان جوان غلطی کرتے ہیں اور بزرگ اس پر معافی کا پردہ ڈال کر درگذر کرتے ہیں۔ یہ آپ کی اولاد ہیں۔ جو کچھ ہونا تھا۔ ہو چکا۔ اب ان کو معاف کر دیجئے۔ ایشور کی کرپا سے

معاملات نہایت خوش گوار طور پر خود بخود سلجھ گئے ۔ اور سوبھا نے کوئی ناگوار قدم نہیں اٹھایا ہے ۔" سوبھا اور رشیاما چرن اٹھ کر سیٹھ جی کے قدموں پر گر پڑے ۔ ستیش بابو چپ چاپ اب تک حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے ۔ کہ کیا کیا ہو گیا ۔ آخر ان کے آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور سوبھا اور رشیاما کو گلے سے لگا لیا ۔ "کملا" مسکرا کر کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی ۔

"سوبھا تم بہت کامیاب اشتہار نویس ہو ۔"

؟

(ایک ریڈیو پک)

"اُس پار"

(ایک تخئیلی رومان)

افراد

(۱) شامو
(۲) ماشا
(۳) آوازیں (ملاحوں اور ماہی گیروں کی)
(۴) سمندر کا دیوتا۔ تخیئلی آواز
(۵) ہوا کا دیوتا۔ " "

وقت :۔ قدیم
مقام :۔ ایک خیالی جزیرہ

——✲✲✲——

راوی

ماشا ایک نوجوان غریب ملاح تھا اور شامو ایک ماہی گیر کی لڑکی ـــــــ یہ دونوں ایک جزیرہ میں رہتے تھے۔ دور آبادی سے بہت دور ؛ جہاں ان دونوں کی سچی اور پاکیزہ محبت اپنا نکھرا ہوا روپ دکھا رہی ہے۔ ان کے بیاہ کی تاریخ ٹھہر چکی ہے

(شامو کی جھونپڑی)

رات کے وقت وہ بے خبر سو رہی ہے۔ شامو کے ماں باپ لوگوں کو اس کے بیاہ کے بلاوے دینے گئے ہیں۔ بہت دور سے گانے کی آواز آ رہی ہے۔ گویا شامو خواب میں سن رہا ہے ـــــ یہ محبت کا حسین خواب ہے جو شامو کو سوتے میں دکھائی دے رہا ہے۔

(گانا)

"میں نے پریم کا سپنا دیکھا"
پھول مہکے رنگ رنگیلے
تارے چمک رہے چمکیلے

کنج کنج تھیں نئی بہاریں

مدھ رس کی پڑتی تھیں پھواریں

نو رس کلیاں مسکاتی تھیں

آنکھ کھُلی یہ نظارا دیکھا

مکھڑا پیارا پیارا دیکھا

(شامو ایک بھیانک خواب دیکھ کر جاگتی ہے)

شامو:۔ (اکدم سوتے سے جاگ کر ڈری سہمی ہوئی آواز میں) ہا ہا ہا —— ہائیں دیوتا بھگوان ۔ یہ بھیانک سپنا —— افوہ ۔ کیسا ڈراؤنا خواب —— کیا تھا یہ ——

(ماشا آتا ہے)

شامو:۔ آہٹ سے گھبرا کر) کون ہے یہ —— اوہ! ماشا تم ہو!!

ماشا:۔ ہاں شامو! کیوں تمھیں اس وقت میرا آنا پسند نہیں۔

شامو:۔ —— نہیں ۔ کیوں! میں ابھی۔

ماشا۔ ابھی سو کے اٹھی ہو ۔ اور میرے آنے سے بے آرام ہوئیں۔

شامو:۔ ماشا تمھارے آنے سے بے آرام

ماشا۔ کیوں! نہیں کیا؟ ——

شامو۔ تمھیں دیکھنا سب سے بڑا آرام ہے۔

ماشا۔ یہ میرے دل کی بات تمھارے زبان سے

شامو۔ کیوں نہیں جو تمہارے دل میں ہے وہ میری زبان پر۔

ماشا۔ شامو'' ہمارے کیسے اچھے نصیب ہیں۔ ہماری محبت کی خواب کا تعبیر کا وقت آگیا۔

شامو۔ خواب۔ اوہ۔ ماشا ابھی میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔
(آواز کانپتی رہے)

ماشا۔ ہیں۔ تم کانپ رہی ہو۔ کیسا خواب شامو

شامو۔ اُف بہت ڈراؤنا خواب۔

ماشا۔ تم خواب سے ڈر گئیں۔ شامو۔ (ہنس کر)

شامو۔ ہاں۔ ماشا۔ بہت ڈراؤنی باتیں دیکھ رہی تھی۔

ماشا۔ (ہنسنا) ارے چھوڑو بھی۔ خواب کی باتوں کا کیا سوچ!

شامو۔ تم ہنس رہے ہو ماشا۔ سنو تو میں نے کیا کیا دیکھا۔

ماشا۔ اونہہ۔ بھول جاؤ۔ سب خیال کی باتیں ہوتی ہیں۔ خواب کوئی چیز نہیں۔ ہم محبت کے پیارے سپنے دیکھ رہے ہیں۔ ڈراؤنی باتیں ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہیں۔ ہنسو۔ شامو۔ خوش ہو۔

شامو۔ (مسکرا کر) دیوتا ہیں سدا ہنسی خوشی رکھیں۔

ماشا۔ سدا خوش رہیں گے شامو۔ خوشی کا زمانہ آگیا ہے۔ جانتی ہو کل کیا دن ہے۔

شامو۔ کل۔ (شرما کر) (ہنسنا) میں جانو ہر سپت ہے،

ماشا۔ (ہنستا ہے) ہاں بر سپت تو ہے۔ مگر یہ ہماری زندگی میں پہلا بر سپت ہے۔ تم جانتی ہو؟۔

شامو۔ میں کیا جانوں۔ سنا ہے۔ کہیں کسی کا بیاہ ہے۔ اوں۔

ماشا۔ کہیں کسی کا بیاہ۔ (ہنسنا) واہ میری بھولی دلھن۔ اچھا۔ تمہارے

شامو۔ پتا اور ماتا جی کہاں گئے ہیں۔

ماشا۔ برادری میں لوگوں کو بلاوے دینے گئے ہیں۔

شامو۔ کیوں کسی کے بیاہ کے بلاوے۔ وہ کیوں دینے گئے۔

ماشا۔ میں کیا جانوں۔ تم خود ہی ان سے پوچھنا

شامو۔ ان سے کیا پوچھوں۔ میں آپ ہی نہ بتادوں۔

ماشا۔ کیا ہے۔

شامو۔ تمہارا بیاہ ہے۔ (ہنسنا)

ماشا۔ (شرماکر) ہوں ایسی باتیں کروگے تو ہم نہ بولیں گے۔

شامو۔ واہ یہ کوئی بری بات تھی۔

ماشا۔ پھر ہم بھی کہہ دیں گے۔

شامو۔ بھلا تم کیا کہوگے۔

ماشا۔ یہی کہ تمہارا بیاہ۔ (ہنسنا)

شامو۔ اچھا یہ تو۔ سب سے اچھی بات ہے۔ کہے جاؤ میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہے۔

شامو۔ ماشا۔

ماشا۔ شامو۔

شامو کیا کل سچ مچ تمھارے بیاہ کا دن ہے

ماشا۔ ہاں۔ ہاں۔ اور تمھارے بیاہ کا دن۔ کیوں ہمارے بیاہ کا۔ مدتوں بعد ہمارے نصیب کے پھول کھلے۔ بس اب تو مرادوں کے دن ہیں مرادوں کی راتیں۔

شامو۔ آج کی رات کیسی پیاری ہے

ماشا۔ کل کا دن اس سے بھی پیارا ہوگا

شامو۔ ماشا پھولوں کی خوشبو کیسی۔

ماشا۔ پھولوں کی خوشبو ہی مست نہیں شامو۔ آج دنیا کی ہر چیز مست ہے پھول ہماری خوشی پر ہنس رہے ہیں۔ چاند کو دیکھو کھلا جاتا ہے۔ پیاری شامو کو دیکھتا ہے اور مسکراتا ہے۔

شامو۔ آہا ـــــ آج چاندنی رات ہے۔ سچ مچ چاند کی رات بھی کیسی سندر ہوتی ہے۔

ماشا۔ مگر آج کی چاندنی کی بہار ہی اور ہے۔ آکاش سے نور برس رہا ہے۔ میرے چاند کو دیکھ کر تارے بھی مسکرا رہے ہیں یہ سب ہمارے نصیب کے پھول ہیں شامو۔ حسین رات کی پری ہماری خوشی پہ ناچ رہی ہے۔ اور یہ تارے اس کے گلے میں موتیوں کی مالا ہیں۔ کیوں؟ ـ

شامو۔ یہ سجاوٹ سدا ایسی رہے ماشا۔

ماشا۔ کیسی پیاری بات۔ شامو۔ ہمارا پریم سدا بنا رہے
(دور سے ہنسی کی سی آواز۔" ہاہا۔ ہاہا)

شامو۔ یہ کون ہنسا ماشا۔ ماشا۔
ماشا۔ کہاں۔ میں نے تو کچھ نہیں سنا۔
شامو۔ نہیں ضرور کوئی ہنسا تھا۔ میں نے خود ہنستے ہوئے سنا۔
ماشا۔ میری گڑیا۔ کوئی نہیں، کون ہوسکتا ہے۔ تم تو بیکار گھبرا رہی ہو۔
شامو۔ تم مجھے کتنی پیاری لگتی ہو۔
شامو۔ ماشا۔ کیا تم سچے دل سے۔
ماشا۔ یہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو۔ کیا تمھیں ابھی میری محبت پر بھروسہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
شامو۔ نہیں۔ نہیں۔ ماشا۔ میں تو ہنس رہی تھی۔ تم۔
ماشا۔ میں جھوٹا ہوں۔ یہی نا۔
شامو۔ ارے نہیں۔ یہ تم کیا کہنے لگے۔ یہ کیسی باتیں نکالتے ہو۔
ماشا۔ تمھیں تو کہتی تھیں۔ لوگوں نے تمھارے ماتا پتا سے میری خوب برائی کی۔
اور جانے کیا کیا کہا۔ جھوٹا۔ لالچی۔ نکما۔
شامو۔ (ہنس کر) ہاں ہاں۔ وہ تو ہو چکا۔ اب یہ باتیں چھوڑ دو۔
ماشا۔ لوگوں نے بہت بہکایا۔ مگر شامو تم نے میری سچی محبت دیکھی۔
شامو۔ اور میری نہیں کہتے۔ اوں۔
ماشا۔ تمھاری بھی۔
شامو۔ اور کیا اکیلی تمھاری۔

ماشا۔ کیا۔ تم سچے دل سے۔

شامو۔ اوہو۔ میری بات مجھ ہی پر لوٹتے ہیں یہ بدلا لیا۔

ماشا۔ نہیں۔ میں تو ہنس رہا تھا۔ تم سے اور بدلا۔

شامو سچ مچ ماشا ہم کیسے خوش نصیب ہیں۔

ماشا یہ سب ہماری محبت کی طاقت ہے۔ آہا شامو محبت کا مزا بھی کیسا پیارا ہے۔ محبت کی دنیا کیسی سندر ہے۔ اب ہم اس بہاروں کی دنیا میں چین کی بنسی بجائیں گے۔

شامو سچ ہے ماشا۔ دیکھو تو یہ پھول۔ (آہا ہا ہا)

شامو۔ دیکھو سنو۔ پھر کوئی ہنسا۔ میں نے خود صاف سنا ہے۔

ماشا۔ میری بھولی بھالی۔ تمھارے کان۔ تمھیں دھوکا دے رہے ہیں۔ اب تمھارے کانوں میں ہنسی ہی تو گونجا کرے گی۔

شامو نہیں ماشا۔ سچ مچ۔

ماشا۔ ہیں۔ یہ شور کیسا۔

شامو۔ اونہہ۔ ہوگا کچھ۔ پھولوں کو تو دیکھو۔ آج ہماری۔ جھونپڑی کے چاروں طرف سارے کھل گئے ہیں۔

ماشا۔ اور جو رہ گئے ہیں۔ وہ صبح تک کھل کر بہار دکھائیں گے۔ مگر کیسے جانتی ہو۔

شامو۔ ہاں بتاؤں ماشا (دولھا) کے سر پہ چڑھیں گے۔

ماشا۔ نہیں شامو (دولھن) کے گلے میں کھلیں گے۔ (دونوں کا

ہنسنا)

(شور کی آوازیں بڑھتی ہیں اور ہوا کی سائیں سائیں)

ماشا۔ یہ شور تو سمندر کا ہے کیا ہوا

شامو۔ کچھ نہیں۔ تمھارے کانوں میں ہر وقت سمندر کا شور رہتا ہے۔ وہی گونجتا ہے۔ اب یہاں بیٹھے بیٹھے جی گھبرا گیا۔ تو سمندر کا دھیان آ گیا۔

ماشا۔ نہیں شامو۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ میرے کانوں میں تو ہر وقت تمھاری رسیلی آواز گونجتی ہے۔ سمندر کے شور میں بھی مجھے تمھارے پیار کی میٹھی باتوں کا مزا آتا ہے۔

شامو۔ یہ سب میرے بہلانے کی باتیں ہیں

(شور کی آوازیں بڑھتی ہیں)

ماشا۔ نہیں۔ نہیں۔ شامو سنو تو۔ ہوا کیسی تیز ہے۔ اور سمندر کے شور کی آوازیں بھی بڑھ رہی ہیں۔ نہ جانے کیا ہے۔

شامو۔ ہوگا کچھ۔ تمھیں کیا سوچ ہے۔ تمھارے کام کا یہ وقت نہیں رات ہے۔

ماشا۔ اوہو۔ دیکھو نا۔ بادل چھا گئے۔ چاند بھی چھپ گیا۔ اندھیرا ہو رہا ہے۔

شامو۔ تمھیں کیا ڈر ہے۔

ماشا۔ مجھے اس شور کو دیکھنے ذرا

شامو۔ نہیں شور کو دیکھنے میں نہ جانے دوں گی۔ تم رات کو تو کشتی نہیں چلاتے تمھاری بلا سے کچھ ہوگا۔

ماشا۔ تمھاری خوشی مگر۔

شامو۔ مگر کیا۔ اب میں ہر وقت تمھیں کشتی نہیں چلانے جانے دوں گی۔

ماشا۔ اچھا۔ (ہنس کر)

شامو۔ اور کیا۔ تم مجھے اکیلا چھوڑ کر دن رات کشتی کھیتے پھروگے۔ اور میں بے آس بیٹھی ہچکولے کھاتی رہوں گی۔

ماشا۔ نہیں شامو جو تم کہوگی۔ وہی ہوگا۔

شامو۔ کیا۔ تم کل بھی سمندر میں کشتی چلاؤ گے۔

ماشا۔ نہیں کل میں پریم ساگر میں۔

(ایک دم شور تیز ہو جاتا ہے۔ ہوا بیحد زور پر ہے۔ چیخوں کی آوازیں قریب ہو جاتی ہیں۔ ماشا گھبرا کر اٹھتا ہے اور جانیکا ارادہ کرتا ہے)۔

آواز۔ (دور سے قریب آتی ہے) — ! ماشا۔ ! یہاں ماشا ہے؟

ماشا۔ کون ہے بھائی کیا ہے۔؟

آواز۔ ماشا۔ تم یہاں بیٹھے ہو۔ سمندر میں بہت زور کا طوفان آیا ہے۔ سب لوگ وہاں ہیں۔ جلدی چلو۔"

ماشا۔ ہاں۔ہاں۔ چلو۔ میں آ ہی رہا تھا چلو۔"

شامو۔ "نہیں۔ تم نہیں ماشا ——"

ماشا۔ "شامو یہ وقت ڈوبتوں کو بچانے کا ہے۔ ایسی باتیں نہ کرو۔"

دوسری آواز۔ (باہر سے گھبرائی ہوئی) ماشا جلدی چلو۔ بھاری طوفان ہے

{ ہوا اور پانی کا شور اور تیز ہو جاتا ہے
شور و غل کی آوازیں }

ماشا۔ شامو۔ میں ابھی آجاؤں گا۔ ڈرو نہیں۔ جاتا ہے۔

شامو۔ "ماشا تم —— اوہ ماشا —— ماشا چلا گیا ——" اوہ طوفان کتنا تیز ہے۔ اب کیا ہو گا۔ میرے معبود۔!"

(طوفانی آوازیں اور شور اور تیز ہو جاتا ہے)

طوفانی رات عذاب انگیز شور و غل کے ساتھ ختم ہوئی۔ سورج نکل آیا طوفان فرو ہوا۔ شامو نے سارا وقت ماشا کی سلامتی کی دعائیں مانگنے میں گذارا۔ کبھی دوڑ کر طوفان کا نظارا کرتی۔ کبھی ماشا کو پکارتی —— اس کی بھی چیخیں بھیانک شور و غل میں کون سنتا —— دن کی روشنی چمکتے ہی۔ وہ سمندر کے کنارے ماشا کی تلاش میں دوڑی۔ ہر آنے جانے والے سے ماشا کو پوچھتی —— جزیرہ کی آدھی سے زیادہ آبادی۔ طوفان کی نذر ہو گئی۔ ماشا اور اس کے ساتھیوں نے جہاں تک ہو سکا ہزاروں ڈوبتوں کو بچالیا۔

"بھائی۔ تم نے ماشا کو دیکھا ہے"۔

"پگلی کون جانے۔ ہزاروں ماشا پتر رہے ہیں یہاں"۔

شامو۔ تم کیا جانو۔ وہ مجھ سے آنے کا وعدہ کر کے گیا ہے۔

ہوا۔ نادان لڑکی جانے کہاں کا کہاں ہوگا۔ ہزاروں لاشیں۔"

شامو نہیں۔ نہیں۔ تم چپ رہو۔ ماشا۔ ماشا۔ کہاں ہو ماشا۔ بولو۔ نہیں بولتے۔ (زور سے چیختی ہے) ماشا۔ ماشا۔ تم نہیں آتے تو میں تمھارے پاس آتی ہوں۔"

ہوا۔ "ارے۔ ارے سمندر میں کہاں جا رہی ہے۔ ڈوب جائے گی وہاں۔"

شامو۔ چھوڑ دو، مجھے دیر ہو رہی ہے۔ آج میرا بیاہ ہے۔ مجھے جانے دو۔ سوامی سے ملنے کا سمے آگیا (جاتی ہے)

ہوا۔ ٹھہر دیوانی ڈوبنے کہاں جائے گی؟

شامو۔ میں نہیں ٹھہر سکتی۔ میں کبھی نہیں ٹھہر سکتی۔ وہ دیکھو ماشا مجھے بلا رہا ہے میرا ماشا مجھے بلا رہا ہے۔ سمندر میں آتی ہوں۔ سوامی میں آتی ہوں ماشا میں آ رہی ہوں۔ میں آ رہی ہوں۔ (سمندر میں کود پڑتی ہے لوگوں کی آوازیں۔

ہوا کا دیوتا۔ سمندر کے دیوتا یہ کیا ہوا۔

سمندر کا دیوتا۔ ہوا کے دیوتا اچھا ہوا۔

ہوا کا دیوتا۔ سمندر کے دیوتا ان دو دکھیوں کو ڈبو دیا۔ آج ان کے بیاہ کا دن تھا

سمندر کا دیوتا۔ ہاں۔ آج ان کے بیاہ کا دن ہے

ہوا کا دیوتا۔ خوشی میں غم ملا دیا، غریبوں کو مٹا دیا۔

سمندر کا دیوتا۔ ہوا کے دیوتا۔ تم کیا جانو۔ جانتے ہو۔ وہ کبھی نہیں مٹ سکتے۔"

ختم

ہوا کا دیوتا۔ پھر وہ کہاں گئے۔

سمندر کا دیوتا۔ دیکھو وہ دونوں محبت کے پرستار تھے۔ ایک دوسرے سے سچّی محبت تھی پاک اور معصوم محبت نے انھیں ایک کر دیا ہے، وہ کبھی الگ نہیں ہو سکتے۔ وہ پریم کی نیا میں سوار ہیں۔ دیکھو وہ پریم کی بستی میں کون بیٹھا ہے"۔

ہوا کا دیوتا۔ ہیں۔ کون بیٹھا ہے سمندر کے کنارے کھوہ میں۔ رشنا مو اور راشنا دونوں بیٹھے ہنس رہے ہیں۔ یہ کیا ہوا! یہاں دونوں کے گانے کی مدھم آواز (دونوں کا گانا آہستہ آہستہ گانے کی آواز)

"(اس پار چلو اس پار چلو)"

جہاں پریم کے سندر پھول کھلے — جہاں بہتی پریم کی دھارا ہے

اس پار چلو اس پار چلو — وہی پیارا دیس ہمارا ہے

سمندر کا دیوتا۔ یہ وہاں ہے۔ جہاں محبت کی بستی ہے۔ محبت قوت ہے۔ مسرت ہے لذّت ہے۔ کوئی طوفان محبت کو نہیں بگاڑ سکتا۔ محبت خدا ہے۔ خدا محبت ہے۔ وہ دونوں وہاں ہیں جہاں سے پرندوں کے نغموں کو۔ پھولوں کی خوشبو کو۔ بچّوں کی ہنسی کو۔ سورج کی روشنی کو۔ چاند کی کرنوں کو۔ ہوا کی آہوں کو۔ ستاروں کی شعاعوں اور ساری دنیا کو حکم دیتے ہیں۔ دنیا محبت کی خدمت کیلئے پیدا ہوئی ہے آج ان دونوں کا بیاہ ہے۔ یہی محبت کا آخری نباہ ہے۔ دیکھا وہ کہاں ہے! کہاں ہیں وہ! ہا ہا ہا ہا ——

(سمندر کے طوفانی قہقہہ کی آواز۔ ہوا تیز ہو جاتی ہے۔ اور دونوں کے گانے کی آواز اس پر غالب آجاتی ہے۔ اس پار چلو۔ اس پار چلو......)"

——۔ختم شد۔——

(افسانہ)

"گوری"

گوری

گوری شریف دولت مند خاندان کی حسین اور نیک لڑکی تھی۔ اس کی شادی کمسنی میں ہوگئی تھی۔ اس کا شوہر پریش شروع شروع میں غریب تھا۔ لیکن کچھ عرصہ میں اس نے ذاتی جدوجہد سے اپنے حالات بہتر بنالئے اور خوش حال ہوگیا۔ پریش کی غربت اور پریشانی کے زمانہ میں گوری کے والدین نے اس کو اپنے پاس رکھا۔ کیونکہ ایک تو وہ نازونعم میں پلی ہوئی افلاس کی مصیبت برداشت نہ کرسکتی تھی۔ اس کے علاوہ کمسن بھی تھی۔ آخر پریش کی خوش حالی کا زمانہ آگیا تو گوری بھی جوان ہوگئی تھی۔ اور اپنے شوہر کے یہاں چلی گئی۔

ایک زمانہ تک الگ تھلگ رہنے کے سبب سے پریش گوری سے کچھ بے تعلق اور مشتبہ سا رہتا تھا۔ وہ ایک چھوٹے سے شہر میں وکیل تھا۔ چونکہ اور کوئی قریبی رشتہ دار اس کے پاس نہ تھا۔ جس سے کچھ جی بہل سکتا تمام خیالات کا مرکز صرف گوری ہی تھی۔ وہ اکثر کچہری برخاست ہونے سے پہلے ہی مکان آجاتا۔ شروع شروع میں گوری کو اچنبھا سا ہوا اور اس کے دل میں یہ بات کھٹکنے لگی۔ کہ وہ یکایک کیوں جلدی سے کچہری سے واپس آگیا۔ مگر اب یہ معمول ہی ہوگیا۔

بعض اوقات پریش نے اپنے نوکروں کو بغیر کسی خطا اور سبب کے موقوف کر دیا۔ یہاں تک کہ کوئی نوکر بھی زیادہ عرصہ تک اس کے پاس نہ

رہتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں جواب مل جاتا۔ اور موقوف کر دیا جاتا۔ خصوصاً گوری جب کسی نوکر کی سفارش کرتی اور اس کے خدمات کی تعریف کرتی اور اس کو رکھنا چاہتی تو وہ جلد سے جلد رخصت کر دیا جاتا۔ سادہ دل معصوم گوری کو یہ بات بہت ہی ناگوار گذرتی۔

لیکن اس کی ناگواری سے اس کے شوہر کے اس برتاؤ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ بلکہ اور زیادہ عجیب ہوتا گیا۔

پریش کی اس شکی طبیعت نے یہیں تک بس نہ کی تھی۔ بڑھتے بڑھتے گوری کی خادمہ سے خفیہ طور سے سوالات شروع کئے کہ اس طرح گوری کے بھید معلوم ہوتے رہیں اور یہ تمام خبریں گوری کے کانوں تک برابر پہنچتی رہیں وہ نیک طبیعت بھولی بھالی عورت تھی۔ لیکن اس نے ان مشتبہ خیالات سے اپنی توہین ہوتی ہوئی دیکھی۔ اس کی خودداری مجروح ہو گئی۔ وہ غم و غصہ سے زخمی شیرنی کی طرح بپھر گئی۔ اس بیجا شک نے ان دونوں کے نازک رشتہ کو ناگوار بنانا شروع کر دیا۔

پریش نے جب دیکھا کہ گوری اس کے حرکات و سکنات سے سب کچھ سمجھنے لگی ہے۔ نواب کے سامنے تہمت لگانے میں بھی اس کو کوئی جھجک نہ ہوئی۔ اس برتاؤ سے جس قدر گوری کے دل میں خاموش نفرت بڑھتی گئی۔ اسی قدر پریش کے دل میں بدگمانی کی آگ بھڑکتی رہی لیکن ان سب باتوں کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟ یہ وہ خود بھی نہ سمجھ سکتا۔

گوری شادی کی تمام مسرتوں سے محروم تھی ۔ وہ شادی سے کوئی پھل نہ پا سکی ۔ اس کی گود خالی تھی ۔ آخر محروم اور مایوس ہو کر اس نے پوجا پاٹ میں دل لگانا شروع کیا ۔

اس نے سوامی پرمانند، کو بلایا ، جو ایک جوان مہاتما اور گرو تھے اور وہاں سے دور کسی مندر میں رہتے تھے ۔ اور ان کو اپنا گرو بنا لیا ۔ اور ان سے گیتا کی تعلیم حاصل کرنے لگی ۔ اس کے تمام جذبات محبت و افلاس جو ایک نیک عورت کی طرح اس کے شریف دل میں تھے ۔ اور برباد ہو چکے تھے ۔ اب اپنے گرو کے قدموں میں نثار ہونے کو زندہ ہو گئے ۔

پرمانند جی کے چال چلن کے متعلق کسی کو ذرا بھی شک نہ تھا ۔ تمام لوگ انھیں پاکباز مہاتما سمجھتے اور ان کو گرو مانتے ۔ اس لئے چونکہ پریش کو ان کی ذات سے بدگمانی ظاہر کرنے اور ان پر کسی قسم کا شک کرنے کا کوئی موقع نہ مل سکا ۔ دل رشک و حسد سے جلنے لگا ۔ آخر ایک دن اس سے ضبط نہ ہو سکا ۔ اور زہر اگل دیا ۔ اس نے گوری کے سامنے انھیں ایک دغاباز ، بہروپیہ بنا کر پیش کیا اور کہا ۔ "کیا تم قسم سے کہہ سکتی ہو کہ تم اس موذی کے محبت کے خچگل میں نہیں پھنسی ہو جو سادھو کے بھیس میں ہے ۔"

یہ سن کر گوری ایک دم اچھل پڑی ۔ جیسے سانپ پاؤں تلے دب جاتا ہے ۔ اور وہ اس شک سے دیوانی سی ہو گئی ۔ اور جل کر

اور جل کر بولی۔

"اگر یہ سچ ہے تو پھر کیا ہوا، پریش کو اب کوئی جواب نہ بن پڑا اور چپ چاپ سیدھا کچہری چلا گیا۔ جاتے جاتے دروازہ باہر سے مقفل کر گیا۔
گوری غم و غصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جل رہی تھی۔ اسی جوش میں اس نے کسی طرح بند دروازہ کھول لیا۔ اور باہر نکل گئی۔ دوپہر کی خاموشی تھی۔ اور تنہا کمرہ۔ پرمانند جی چپ چاپ بیٹھے مالا جپنے میں مدہوش تھے کہ یکایک گوری اندر پہنچ گئی۔ جیسے صاف و شفاف آسمان پر بجلی کوند جائے۔ گرو جی نے اچنبھے سے پوچھا ——
"تم یہاں کیسے"۔

گوری نے دھیمی آواز سے کہا۔ "سہائتا کرو۔ گرو جی میری لاج رکھ لو۔ میں اپنے گھر کی ذلیل زندگی میں نہیں رہ سکتی۔ کرپا کرو مہاتما مجھے اپنے چرنوں میں ٹھہرنے دو۔

مگر پرمانند نے گوری کو بڑے اصرار سے اس کے گھر واپس بھیجدیا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کی جاپ کا سلسلہ جو گوری کے آجانے سے ٹوٹ گیا تھا۔ کبھی جڑ سکا یا نہیں۔

پریشں نے کچہری سے واپس آکر۔ جب دروازہ کھلا پایا تو سوال کیا۔ "کون آیا تھا"۔ گوری نے جواب دیا۔ آیا تو کوئی نہیں۔ میں اپنے گرو کے یہاں گئی تھی۔

پریشں نے لال پیلے ہو کر کہا —— کیوں —— ؟" اس نے

اطمینان سے جواب دیا "میرا جی چاہا تھا۔ اس دن سے پرُشش نے نہایت سختی سے اس پر پہرہ مقرر کر دیا اور اس جھگڑے نے یہاں تک طول کھینچا کہ سارے شہر میں مشہور ہو گیا۔ اس شرمناک جھگڑے کی خبریں گرو پرمانند کے پاس بھی پہنچیں۔ اور ان کی پوجا پاٹ میں ان ناگوار حالات سے خلل آتا گیا۔ اس لئے انھوں نے ارادہ کیا کہ انھیں فوراً یہ مقام چھوڑ دینا چاہیئے۔ لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ اس مظلوم اور بے زبان عورت کے لئے بھی کچھ کیا جائے۔ جس فکر و پریشانی میں سادھو جی نے یہ دن گذارے۔ ہر کس و ناکس کو مشکل سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ آخر ایک دن مصیبت زدہ گوری کو ایک خط ملا جس میں لکھا تھا۔

میری بچّی

اس میں شک نہیں کہ بہت سی استریوں نے ست کی دیویوں نے "ایشور بھگتی" کے کارن دنیا کو تیاگ دیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس دنیا کے جکڑ بند تمھارے خیال کو "ایشور بھگتی" سے ہٹا لیں میں ایشور کی کرپا سے اس کی پیاری مخلوق کو کرودھ سے چھڑا کر اس کی پوجا کے پوتر مندر میں حاضر کروں گا۔ تمھاری مرضی ہو تو اپنے باغ کے قریب تال کے کنارے کل دو بجے دوپہر کو مجھ سے مل لو۔

گوری نے خط پڑھ کر اپنے بالوں کے جوڑے میں چھپا لیا۔

دوسرے دن دوپہر کو جب اپنا جوڑا کھول رہی تھی، دیکھا تو خط غائب
تھا۔ اس نے سوچا کہ ممکن ہے کہ بستر پر گر پڑا ہو اور وہاں سے اس کے شوہر نے
اٹھالیا ہو۔ اس سے وہ گھبرا سی گئی۔ پہلے تو اس کے دل میں ایک خیال
پیدا ہوا جس میں کچھ خوشی اور غم ملے جلے تھے۔ کیوں کہ اس نے سوچا
"پرشیں خط پڑھ کر غضب ناک ہوا ہوگا۔ پھر فوراً اس خیال
نے اسے پریشان کر دیا۔ ایک ایسا متبرک خط جو صرف اس کے
سر پر ہی رکھا جانا چاہیئے تھا ناپاک ہاتھوں میں آنے سے ناپاک
ہوا ہوگا۔ گھبرائی ہوئی نہایت تیزی سے وہ اپنے شوہر کے
کمرے میں گئی۔ وہ دانت چڑھائے ہوئے فرش پر پڑا تھا۔
آنکھیں پھری ہوئی تھیں اور منہ سے جھاگ جاری! گوری نے
بھینچی ہوئی مٹھی سے خط نکال لیا اور فوراً ڈاکٹر کو بلایا۔ ڈاکٹر
نے دیکھ کر تشخیص کیا کہ اسے سکتہ کی بیماری ہوئی۔ اور مریض
اس کے آنے سے قبل مر چکا ہے۔ جس روز یہ حادثہ ہوا ہے۔
پرنش کسی ضرورت سے باہر جانے والا تھا اور پرمانند نے اس کی
اطلاع پا کر گوری سے ملنے کے لئے وقت مقرر کیا تھا۔ کون کہہ
سکتا ہے کہ وہ کس گہرائی میں تھا۔

تھوڑی دیر میں "بیوہ گوری" نے کھڑکی سے جھانک کر گرو کو دیکھا
کہ تال کے کنارے چوروں کی طرح چھپے کھڑے ہیں۔ اس کی
آنکھیں جھپک گئیں جیسے بجلی کے یکایک کوند جانے سے! اور اس

روشنی میں اسے صاف نظر آگیا کہ "وہ کس سطح پر تھا" گرو نے پکارا "گوری" گوری نے کہا "میں آرہی ہوں"

جب پریش کے دوستوں کو اس کی موت کی خبر ملی اور اس کی کریاکرم کے لئے جمع ہوئے تو انھوں نے پتی کے برابر گوری کی لاش پڑی پائی۔ اس نے زہر کھایا تھا۔ گوری ستی تھی ۔ اس نے اپنے پتی کی جان لی یا پتی نے ——— ؟ کون جانے یہ سب کیا تھا؟

پھر بھی اب یہ کوئی چھپا ہوا بھید نہیں تھا۔!!

(بنگالی سے)

(افسانہ)

نقشِ حسرت

نقش حسرت

اس بلند و وسیع عمارت میں میرے خادم نے بہ مشکل داخلہ کا راستہ تلاش کیا۔ اور ہم بڑی دشواری سے اندر پہنچے۔ کیوں کہ میں بہت خستہ ماندہ ہو رہا تھا۔ اور کسی طرح مجھے باہر کھلی ہوا میں رہنا نہ چاہیئے تھا۔ اسی لئے کسی طرح اندر جانے کی فکر تھی۔

اس عمارت کے آثار سے وہی شان و شوکت مگر اداسی نظر آ رہی تھی جو ان علاقوں میں اسی قسم کے دیگر مقامات پر پائی جاتی تھیں۔ یہ عمارتیں جنگلوں اور ویرانوں میں مسافروں کے قیام گاہیں ہوتی ہیں۔ لیکن ظاہری قرائن سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گو اس کی تعمیر نئی نہیں۔ لیکن کچھ زیادہ مدت بھی نہیں گذری ہے۔ ہم اس کے ایک گوشہ کے کمرہ میں مقیم ہو گئے۔ یہ کمرہ سب سے آخری برج میں تھا۔ نہایت مختصر اور معمولی طور پر آراستہ۔ لیکن اس کی زیبائش بھی بالکل قدیم طرز کی۔ بہت بیش بہا اور شاندار تھی۔ دیواروں پر منقش کپڑا لگا ہوا تھا۔ جس میں اقسام کے فوجی نشانات اور اسلحہ نصب تھے۔ ان کے ساتھ ہی جدید

فن مصوری کے اعلیٰ و نفیس بیشمار نمونے بیش قیمت عربی وضع کے سنہری چوکھٹوں میں جڑے ہوئے آویزاں تھے۔ ان تصویروں میں سے کچھ سامنے کی طرف لٹکی ہوئی تھیں۔ اور کچھ خاص ترتیب کے ساتھ ادھر ادھر گوشوں میں آویزاں تھیں۔ دیکھتے دیکھتے مجھے نیند سی آنے لگی۔ اور غنودگی کی حالت میں ان نقوش سے مجھے گہری دلچسپی ہونے لگی۔ میں نے خادم سے کمرے کے جھروکے بند کرنے کی تاکید کی۔ تاکہ رات کی تاریکی میں شمع دان کی روشنی جو میرے سرہانے طاق میں رکھا تھا کمرے میں صاف طور پر پھیل جائے اور جھالردار سیاہ مخملی پردے جو سہری کو چاروں طرف سے ملفوف کئے ہوئے تھے بالکل اٹھوا دئیے تاکہ (اگر نیند کا غلبہ نہ ہو) تو صاف روشنی میں اطمینان سے دیواروں کی تصویروں کا جائزہ لے سکوں۔ اور اس مختصر کتاب کا مطالعہ کر سکوں۔ جو مجھے تکیہ پر پڑی تھی۔ جس میں ان تصویروں کے متعلق تفصیلات درج تھیں —— میں اس کتاب کو بہت دیر تک نہایت غور و توجہ سے پڑھتا رہا — تصویروں کو گھور گھور کر دیکھتا رہا — وقت نہایت تیزی سے گزرتا جاتا تھا کہ آدھی رات نے گہرا سانس لیا —— اور شمع دان نے میرے اس لطف کو منغض کرنا شروع کیا — نوکر کو خواب خرگوش سے جگانا آسان نہیں تھا۔ خیر میں نے اٹھ کر بڑی مشکل سے شمعدان کو اس انداز سے رکھا کہ اس کی روشنی اچھی طرح کتاب پر پڑے

اور مجھے اس میں امید سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ اور بتیوں کی بیشمار شعاعیں (کیونکہ شمعدان میں متعدد بتیاں تھیں) کچھ اس طرح کمرے میں پھیلنے لگیں کہ ہر طاق اور ہر گوشے کی معمولی سے معمولی چیز بھی صاف نظر آنے لگی۔ اس روشنی میں میری نظر ایک تصویر پر پڑی۔ جو اب تک چھپی ہوئی تھی۔ یہ ایک نوجوان حسینہ کی تصویر تھی۔ جس کی عمر شباب کی پختہ منزل میں پہنچ رہی تھی۔ میں نے فوراً اس تصویر پر نظر ڈالی۔ اور جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔

میں اپنی اس اضطراری حرکت کا سبب اس وقت خود بھی نہ سمجھ سکا۔ اور جب آنکھیں بند تھیں۔ اس وقت دماغ نے اس کے وجوہ پر غور کیا۔ لیکن یہ وہ بے خبری کے لمحے تھے۔ جن میں خیالات مجتمع کرنا ممکن نہ تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میری نگاہیں غلطی کر رہی ہیں یا کیا۔ کیوں کہ میرے سامنے زندہ چہرہ تھا۔ زیادہ غور و اطمینان سے تصویر کو دیکھنا اور سمجھنا دشوار ہو رہا تھا۔ چند لمحوں تک یہی حالت رہی۔ اور میں نے اس تصویر کو ٹکٹکی باندھ کر گھورنا شروع کیا اب جو کچھ میں نے دیکھا اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ کیوں کہ روشنی تصویر کے کر بچ پر اس طرح صاف پڑ رہی تھی کہ میری نگاہوں سے غنودگی کا دھندلکا جو میرے ہوش و حواس پر مستولی تھا۔ غائب ہو چکا تھا۔ اور میں ایک نئی بیداری، ایک نئی زندگی محسوس کر رہا تھا۔ یہ تصویر پورے قد کی نہیں بلکہ صرف سر اور بازو کا بالائی حصّہ نمایاں تھا۔

جس کو صنعتی اصطلاح میں بسٹ کہئے۔ بازو سینہ اور چمکدار بالوں کے سرے تک ایک حد تک نمایاں نظر آرہے تھے۔ فریم سفیدی تھا اور نہایت خوشنما قیمتی نقوش سے مزین۔ آرٹ کی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو اس میں کوئی قابلِ تعریف بات نہ تھی لیکن تصویر بجائے خود بے انتہا دلکش اور جاذبِ توجہ تھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ واقعہ یہ ہے نہ تو حسن صنعت کی بلندی ہے جس نے اس قدر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا اور نہ حسن و صورت کے لازوال نقش و نگار کی کشش! زیادہ سے زیادہ غنودگی و بیہوشی کی حالت میں اچانک اس تصویر کو زندہ انسان کا چہرہ سمجھ کر میں اس کی جانب اس قدر متوجہ ہوا! لیکن ایسا بھی کیوں تھا۔ اس کا سبب فوری طور پر میری سمجھ میں یہ آیا تھا کہ تصویر کا انداز اور فریم کا نقش و نگار وغیرہ نے مل جل کر میرے دل و دماغ پر اثر قائم کیا۔ مگر سوچ بچار میں جو وقتی لطف حاصل ہوا تھا وہ بھی کھو بیٹھا۔ انھیں خیالات میں غرق، میں کچھ کھویا کھویا سا تھوڑی دیر تک نیم دراز حالت میں تصویر پر نظر جمائے رہا۔ جیسے اس نے مجھ سے کچھ چھین لیا ہے۔ آخر کار تصویر کے سحرکار اور غیر فانی اثرات کا میرے دل نے اعتراف کیا۔ اور میں غیر مطمئن سا بستر پر دراز ہو گیا۔ کہ لیٹے لیٹے سکون سے اس کے نقوش کا جائزہ لوں۔ اب میری سمجھ میں تصویر کا خاموش تکلّم آگیا تھا۔ اس کی نگاہوں میں زندگی کا شبہ نہیں۔ سچ مچ کی زندگی

کی زندگی تھی ۔ اور اس کی حسرت ناک خاموشی میں سحر آفریں گفتار کی سی کیفیت ۔

اول اول میں نے اس کو دیکھا ۔ اس کی نظریں میری سمت گھورتی رہیں اور آخر کار میرے حواس و ہوش پر غالب آگئیں اور اب میں نے اپنے آپ کو ان کی سحر کاریوں کے حوالے کر دیا ۔ پھر ذرا سنبھلا اور رغبت و اضطراب کے سے عالم میں ، میں نے شمعدان کو اس کی اصلی جگہ رکھ دیا اور نہایت اشتیاق سے اس کتاب کو دیکھنے لگا ۔ جس میں تصویروں کی تفصیل درج تھی ۔ تھوڑی دیر کی ورق گردانی کے بعد بیضوی تصویر کے ذیل میں کچھ مبہم اور عجیب عبارت درج تھی ۔ میں نے پڑھنا شروع کی ۔

وہ حسن و شباب میں لاثانی تھی ۔ اور مسرت و شادمانی کی جیتی جاگتی تصویر ۔"

سب سے زیادہ منحوس تھی وہ گھڑی جب اس نے مصوّر کو دیکھا اور اس کی محبت میں گرفتار ہو کر اس سے شادی کی ، مصور محنتی ، جفاکش جذباتی انسان تھا ۔ اور حسن صنعت کی دلھن کو پہلے ہی بیاہ چکا تھا حسینہ جمال کی لاثانی نمونہ تھی ۔ اور وفائے دلبری کی جیتی جاگتی تصویر ۔"

برق وش ۔ شوخ و شنگ حسینہ مجسّم بہار تھی ۔ اور گلِ نوخیز کی مانند سرتاپا تبسم ۔ وہ کائنات کی ہر شے کو پیار کرتی ۔ مگر آرٹ

جس سے اس کو دلی نفرت تھی۔ اس کا رقیب روسیاہ تھا۔ نگارخانہ کا تمام سامان رنگ و روغن اور موقلم اس کی نظروں میں خار تھے جو اس کے محبوب سے اسے جدا رکھتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ مصور کی ہر وہ گفتگو جس کا تعلق کسی نہ کسی طرح آرٹ سے ہوتا۔ اس حسینہ کو ناگوار گذرتی۔ خواہ اس کی اپنی تصویر کے بنانے ہی کا ذکر کیوں نہ ہو۔

لیکن اس کے باوجود وہ اطاعت شعار اور فرماں بردار تھی کبھی اس کی مخالفت کی جرأت نہ ہوتی۔ اور کبھی اس سے انحراف نہ کرتی۔ حتیٰ کہ محض اس کی مرضی کے لئے آرٹ کا تختۂ مشق بننے کے لئے تیار ہوگئی۔ اور کئی ہفتوں تک مسلسل برج کے تاریک کمرہ میں چپ چاپ بیٹھ کر گزارے جہاں صرف زرد کرنج کے پیچھے اس کے سر پر خفیف سی روشنی شعاع انداز ہوتی۔ لیکن اس سے مصور کی کامیابی اس کے فنی کمال کے سبب روز بروز بڑھ رہی تھی۔ وہ جذباتی انسان تھا۔ کسی قدر وہمی اور تنک مزاج۔ جو اپنی مرضی کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ کبھی اس کے دماغ میں یہ خیال تک نہ آیا کہ اس تنگ و تاریک کمرے میں جہاں روشنی اور ہوا کا گزر تک نہیں۔ اس کی نازک حسین دلہن کی صحت و عافیت خطرہ میں ہے۔ اس کی روح لطیف

کو اس کنج کثیف میں کس قدر اذیت ہو گی۔ اور وہ شوخ خوش مزاج غزال اس تیرہ و تاریک قفس میں گھٹ کر رہ جائے گی۔

وہ مجسمۂ حسن و عشق اس زنداں میں جہاں سوائے اس کے حسین چہرے کے اور کچھ بھی نظر نہیں آتا صابر و شاکر ہی بنی بیٹھی رہتی۔ کبھی حرف شکایت زبان پہ نہ لاتی۔ بلکہ اس خیال سے شاد و مطمئن تھی کہ اس کا محبوب اپنے کام میں ذوق و شوق سے مصروف ہے۔ مصوّر اس کے جذبات لطیف سے قطعاً بے خبر۔ دن رات تصویر کشی میں مشغول رہتا۔ اور اس کی پرواہ بھی نہ کرتا۔ اور وہ نمونہ بنی بیٹھی رہتی۔ وہ سوچتی تھی ایک دن آئے گا۔ یہ شبیہہ مکمّل ہو جائے گی میرے محبوب کی آرزو پوری ہو گی۔ اور میری طرف ملتفت ہو گا میری تصویر جو اتنی محنت و کوشش سے تیار ہو رہی ہے۔ لوگ دیکھ کر 'عشق و وفا' کا ایک غیر فانی معجزہ سمجھیں گے۔ کیسی عرق ریزی سے وہ ان نقوش میں رنگ بھر رہا ہے۔ فن مصوری کا انتہائی عروج۔ کوئی دیکھے تو عش عش کرے۔ میرے محبوب کے کمال فن کی داد دے۔

لیکن تکمیل کا وقت قریب آ رہا تھا۔ اور وہاں کوئی دیکھنے یا داد دینے والا نہ تھا۔ اس کی وفا کی داد کون دیتا۔ مصوّر حسب معمول بے پرواہ۔ جنونی بنا اپنے کام میں مصروف تھا ایک لحظہ کو مشکل ہی سے آنکھ اٹھاتا۔ اتنی مہلت

کہاں تھی کہ اپنے محبوبہ وفا شعار کی طرف ایک نظر بھر کر بھی دیکھ لے۔

تنگ دل جذبات سے یکسر معرّا انسان کبھی یہ نہیں سمجھتا کہ جن رنگوں سے اس نے تصویر کے نقش و نگار کرمچ پر بنائے ہیں۔ یہ اس سرخی سے کھینچے جا رہے ہیں۔ جو اس بدنصیب حسینہ کے گلاب کے رخساروں سے لی گئی ہے۔ جو دن رات اندھیری کوٹھری میں بت بنی بیٹھی اپنا خون خشک کر رہی ہے۔ آخر ہفتے گذر گئے۔ تھوڑا کام باقی تھا صرف اتنا کہ ایک مو قلم کی جنبش سے لب بنیں۔ اور ایک ہلکا رنگ آنکھوں پر پھر جائے اور بس تصویر مکمل ہو۔ ایک لمحہ میں مصور اس آخری تکمیل کے ارادہ سے رنگ لینے کے لئے کھڑا ہوا۔ دوسرے لمحہ میں جو اس نے اپنی ممثلہ کی طرف نظر اٹھائی تو اس کی نگاہیں وہیں جمی رہ گئیں۔ ہاتھ اوپر کا اوپر اٹھا رہ گیا۔ جسم کانپنے لگا۔ اور تمام نقش بے رنگ نظر آنے لگے۔ دماغ معطل تھا اور لب مرتعش۔ آخر بے اختیار چیخ نکل گئی۔

اف یہ تھی اصل زندگی۔ اب وہ تھا اور محبوبہ کی یاد۔ وہ دوسری دنیا کو سدھار چکی تھی۔ اصلی زندگی۔

ـ جنونی مصور نقشِ حیرت بنا ہوا تھا۔ اور اس کے سامنے اس کا مٹایا ہوا نقشِ حسرت!! زبانِ بے زبانی سے گویا تھا۔

خونِ ارمان تمنا کی بے سرخی تھا ہر!
نقشِ حسرت، مرے افسانہ کا عنواں ہو جائے

(ڈرامہ)

پریم بندھن

کردار

۱۔ ستیش — ایک تعلیم یافتہ آزاد خیال نوجوان
۲۔ جمنا — ستیش کی بیوی
۳۔ جانکی — ″ ″ بہن
۴۔ مالی — ستیش کے باغ کا مالی
۵۔ ڈاکٹر — کلکتہ میں جمنا کا معالج

مقام — کلکتہ کا ایک قصبہ اور کلکتہ خاص۔
زمانہ — موجودہ۔

پہلا منظر

(جمنا ایک نوجوان بیاہتا عورت ہے۔ اس کا خاوند ستیش (گوپی چند زمین دار کا بیٹا) نوجوان گریجویٹ ہے۔ ستیش کو کسی دوسری عورت سے محبت ہے جو اس کے دوست کمار کی عزیز ہے۔ ستیش اس عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور جمنا سے اس کی مرضی کے خلاف شادی ہوئی ہے۔ اس لئے وہ جمنا کو اپنی بیوی نہیں سمجھتا۔ اور نہ شادی کے بعد سے آج تک اس نے جمنا کی صورت دیکھی۔ ستیش کے والدین اور سب عزیز خصوصاً اس کی بہن جانکی بہت کوشش میں ہیں کہ کسی طرح اس کو راہ راست پر لے آئیں۔ اور یہ الجھن دور ہو جائے۔ لیکن ابھی دلّی دور نظر آتی ہے۔ جمنا اس وقت اپنے کمرے میں اکیلی پریشان ہے۔)

جمنا۔ بھگوان جانے میرے نصیب کا چکّر کیسا ہے۔ مجھے اس نئی زندگی اور نئے گھر میں آئے دو سال سے زیادہ ہونے کو آئے۔ نہ پتی دیوتا کے درشن ہوئے اور نہ اس دکھ کا کارن ہی معلوم ہوا۔ نجانے مجھ سے کون سا

ایسا پاپ ہوا ہے جس کی سزا اس طرح بھگت رہی ہوں۔
ایشور جانے ــــــــ (آہٹ سنتی ہے)

جمنا۔ کون۔ کوئی ادھر آرہا ہے (دروازہ کھلتا ہے)
ــــــــ کوئی اندر نہیں آیا ــــــــ ہیں یہ کاغذ کیسا ــــ؟
کسی نے باہر سے پھینکا ــــــــــــ ہاں۔ (باہر سے ہوا کی سائیں سائیں اور کوئل کی آواز)

آہا۔ یہ تو میرے پران پتی کا نام۔ کیا انھوں نے مجھے یہ چٹھی بھیجی۔ بھگوان تو بڑا کرپالو دیالو ہے۔ کیا سچ مچ میرے سوامی کی چھٹی ــــــــــــــــ دو لفظ۔ مگر کیسے پیارے لکھتے ہیں۔ (پڑھنا)

"آج رات کو بارہ بجے میرے کمرے میں آنا"
"ستیش"

آہا۔ پیارا ستیش ــــــــ پریتم ستیش ــــــــ
آہ بھگوان۔ آخر تو نے میری پرارتھنا سن لی۔ انھیں میری بپتا پر ترس آگیا۔

(دروازہ پھر کھٹکا) (جانکی آتی ہے)

جمنا۔ "کون ہے"
جانکی۔ بھابی کیا کر رہی ہو۔ دروازہ کیوں بند کیا تھا؟
جمنا۔ جانکی آؤ بہن! کچھ بھی نہیں۔ اکیلی ــــــ تھی۔

جانکی ۔ "اکیلی تو ہوتی ہو مگر اس وقت کیا تھا ۔؟"
جمنا ۔ ہوتا کیا بہن کوئی بات نہیں۔"
جانکی ۔ "خیر نہ بتاؤ ۔ میں ایک نئی خبر لائی تھی ۔ مگر اب ــــ"
جمنا ۔ ہوں ــ نئی خبر ــــ کیا ہے بھلا ؟
جانکی ۔ واہ کیوں بتاؤں ــــــ میں بھی کہہ دوں گی ـ "کوئی بات نہیں ـ"
جمنا ۔ اچھا روٹھ گئیں ــــــ "میری اچھی بہن بتا دو نا !"
جانکی ۔ "پہلے تم ہمیں بتاؤ ۔"
جمنا ۔ "میں کیا بتاؤں ؟"
جانکی ۔ تو میں کیا بتاؤں ؟"
جمنا ۔ اچھا ہم بتا دیں گے ۔"
جانکی ۔ تو بتاؤ ۔
جمنا ۔ رات کو ۔
جانکی نہ ۔ ابھی بتاؤ
جمنا ۔ پہلے تم بتاؤ
جانکی ۔ ہم صبح کو بتائیں گے ۔ (دونوں ہنستی ہیں)
بھابی کوئی بات ضرور ہے ۔ تم آج کھلی جا رہی ہو
جمنا ۔ اور تم ۔
جانکی ۔ میں تو خوشی کی خبر لائی ہی ہوں ۔ اس لئے ۔ !

جمنا۔ اسی لئے تو میں بھی ہنس رہی ہوں ــــ "بس بتادو میری بہن۔"

جانکی۔ "اچھا تو سنو ــــــــ مگر مٹھائی منگالو پہلے۔"

جمنا۔ "ہاں۔ ہاں۔ تمہارا منہ گھی شکر سے بھروں گی۔ کہو تو۔"

جانکی۔ آج بھیّا کو بڑی بھابی اور پتاجی نے بہت سمجھایا۔ بات یہ تھی کہ ان کا کوئی دوست انھیں بہکاتا تھا کہ تمہاری بیوی نچی اور کم پڑھی لکھی ہیں۔ ان کا دماغ سمجھانے سے اب کچھ ٹھکانے پر آگیا ہے۔ وہ تم سے راضی ہو جائیں گے۔

جمنا۔ بس اتنی سی بات۔

جانکی۔ "اچھا (منہ چڑھاکر) اتنی سی بات؟ ــــــ یہ دل سے کہہ رہی ہو۔ ذرا آنکھ تو ملاؤ ــــ میں نے بڑی بھابی سے کہا تھا کہ تم بھیّا کو چھوٹی بھابی کے پاس لے جاؤ۔ وہ ذرا شرماتے ہیں۔

جمنا۔ جانکی تم بڑی سمجھدار ہوگئی ہو ــ بڑوں کے کان کترتی ہو۔

جانکی۔ کیا میں نے جھوٹ کہا؟ میں تو کہتی ہوں۔ آپ ہی انھیں چٹھی لکھ کے بلا لیجئے ــ نہیں تو وہ شرمائیں گے اور یہاں نہیں آئیں گے۔

جمنا۔ مگر جانکی میں ان کے پاس ہی کیوں نہ - - - - - - - -
جانکی۔ ہاں ہاں گھبرا گئیں۔ یہ ٹھیک ہے۔ آپ خود ہی
ان کے پاس چلی جائیں۔
جمنا۔ نہیں جانکی میں نہیں جاؤں گی
جانکی۔ کیوں؟
جمنا۔ "یوں کہ انھیں آنا چاہئے نا"۔
جانکی۔ اوہو۔ بڑی باتیں بنا رہی ہو"
جمنا۔ تو لو دیکھو۔
جانکی۔ کیا ہے ——— ایں ——— یہ تو بھیا کی چھٹی۔ آپ
کو لکھی ہے۔
جمنا۔ میں کیا جانوں ——— کسی کے نام بھی نہیں ہے۔
جانکی۔ نہ بھابی ہنسی نہ کرو۔ سچ بتاؤ کہاں سے آئی۔
جمنا۔ مجھے خود نہیں معلوم۔ تم ہی بتاؤ۔
جانکی میں سمجھ گئی۔ اس وقت آپ یہی چھٹی پڑھ رہی تھیں نا!
جو دروازہ بند کیا تھا۔
جمنا۔ "یہ دن تمہاری کوشش سے دیکھا ہے جانکی — !
جانکی۔ نہیں بھابی۔ یہ سب بھگوان کی کرپا ہے — اس سے
زیادہ خوشی کیا ہوگی ——— اچھا۔ اب آپ ذرا اپنا لباس
درست کیجئے اور بناؤ سنگھار ...... !"

چل ہٹ شریر کہیں کی !"

(باہر سے کوئل کی آواز ہوا کی سائیں سائیں)

بولو کوئل رانی کی جے۔ جمنا مائی کی جے۔

جانکی دیوی کی جے۔ !! (دونوں ہنستی ہیں)

(جانکی جاتی ہے)

"کیوں کہاں چلیں جانکی ؟"

"ذرا مٹھائی کھانے کو منھ دھو آؤں ___ (ہنستی ہوی چلی جاتی ہے۔)

" پگلی ۔ ابھگوان آج کا دن کیسا بھاگوان ہے ۔ کیسی سہاونی رات ہے ۔ کوئل کوک رہی ہے ۔ یہی تو خوشی کا سندیسہ لے کر آئی ہے ___ بول بول پیاری کوئل اپنی مدھر کوک سنائے جا ۔

دوسرا منظر

(رات کو گیارہ بجے ۔ ستیش اپنے کمرہ میں بستر پر دراز ہے ۔ جمنا کو بارہ بجے بلانے کی چھٹی لکھ کر اس کا انتظار کر رہا ہے ۔ جمنا کچھ سوچ رہی ہے اور ستیش کچھ ۔

ستیش سماج کی زنجیریں بھی عجیب ہیں۔ نردوشش جانوں کو جکڑ کر مجبور اور لاچار کرنا۔ ان کے دن رات کے کھیل ہیں۔ میں نے جس استری کی صورت تک نہیں دیکھی۔ تبھنا۔ جس کو میری عادت۔ خیال۔ چال ڈھال۔ اور مست تک کا حال نہیں معلوم ——— وہ میری دھرم پتنی بنی ——— اور میں اس کا پتی بنا دیا گیا۔ اندھے سماج کی بنائی ہوئی اس قید کو تعلیم یافتہ اور درست ہوش وحواس والا انسان کیسے سہہ سکتا ہے۔ اس پر ماتا پتا۔ اور سارا گھر خفا۔ مگر میرا کیا دوشش ہے ——— کمار سچ کہتا ہے۔ ہمارے بزرگ ہمیں دیوانہ اور عقل کا اندھا سمجھتے ہیں۔ خیر ان کی جو مرضی ——— جمنا ابھی تک نہیں آئی ——— ابھی بارہ نہیں بجے۔ (جماہیاں لیتا ہے) اُف مجھے تو نیند آنے لگی ———

(کمرے کے باہر جمنا اور جانکی آہستہ آہستہ باتیں کر رہی ہیں۔

جانکی۔ "بھائی جاؤ کمرہ میں۔

جمنا۔ تم بھی تو چلو۔"

جانکی۔ واہ۔ میں کیسے جاؤں گی۔"

جمنا۔ اور کیا میں اکیلی۔"

ہاں۔ ہاں جاؤ۔ کمرہ میں بھیا جی ہیں۔

مجھے تو شرم آتی ہے

ارے واہ۔ وہ کوئی غیر ہیں

تمھارے بھیا ہیں۔ میرے

اور آپ کے کوئی نہیں۔

اونہہ۔ آؤ بھی جانکی۔

نہیں۔ نہیں۔ جائیے بھیا سن لیں گے۔ ہماری باتیں!

میں جاتی ہوں اب۔"

دروازہ تو بند ہے

آہستہ سے ہاتھ مارو۔ کھول دیں گے۔ میں دروازہ کھٹکھٹا کے بھاگ جاتی ہوں" (کھٹکھٹاتی ہے اور بھاگ جاتی ہے)

(گھنٹہ بارہ بجاتا ہے)

کون ——— (کمرہ کے اندر)

صبحرا — اوہو جمنا تم ——— تم سچ مچ آگئیں ——— یہاں۔

(جمنا خاموش ہے) بولو جمنا۔ نہیں بولتیں ——— تم کھڑی کیوں ہو ——— بیٹھ جاؤ ——— جمنا تم جانتی ہو۔ میں نے اس وقت تمھیں کیوں بلایا ہے۔

(جمنا خاموش ہے)

آج بیاہ کے بعد ہم دونوں کا پہلا آمنا سامنا ہے اس لئے تم شرما رہی ہو۔ مگر میں نے تمھیں اس لئے نہیں بلایا ہے۔ ذرا گھونگھٹ اٹھاؤ ——— اوہ! تم تو اتنا لمبا گھونگھٹ نکالے شرمائی ہوئی پہلی رات کی دلھن بنی بیٹھی ہو۔ دیکھو جمنا میں نے تمھیں اس وقت یہاں دو باتیں کہنے کو بلایا ہے۔ تم جانتی ہو کیا باتیں ہیں اوہو۔ تم تو گردن ہلاتی رہو گی۔ زبان سے جواب دو۔ اس شرم سے کام نہ چلے گا۔ ! یہ بتاؤ تم میرے ساتھ کلکتہ چلنے کو تیار ہو۔ بولو۔ گردن سے نہیں زبان سے جواب دو۔ کہو چلو گی یا نہیں ؟"

جمنا۔ (شرمائی ہوئی آواز آہستہ) ہیں۔ . . . . ۔ (رک گئی)

ستیش۔ کہو کہو۔ رک کیوں گئیں ؟ چلو گی یا نہیں !"

جمنا۔ جہاں آپ لے چلیں۔ میں چلوں گی۔

ستیش۔ مگر کسی سے کہنا نہیں۔

(جمنا خاموش رہے)

——— چھپ کے چلنا ہے۔ (جمنا جواب نہیں دیتی)

ستیش تم پھر شرمانے لگیں۔ (دیکھو یہ شرم کا وقت نہیں۔ صاف صاف کہو۔ اگر تمھارا جی نہ چاہے تو انکار کر دو۔ مگر کسی کو خبر نہ ہو۔

جمنا۔ (رک رک کر شرمائی ہوئی)۔ یہ کیوں اس کے چھپانے کی کیا ضرورت ——

ستیش۔ چھپانے کی ضرورت کو میں ہی سمجھتا ہوں۔ اگر تم چلنا چاہو تو چھپ کر چلو۔ بولو ——

جمنا۔ جو آپ کی مرضی —— مگر یہاں سب خفا —— تو نہ ہوں گے ——؟

ستیش " یہاں مجھ سے سب ابھی خفا ہیں —— اسی کا انتظام کرنا چاہتا ہوں۔

آپ کی جیسی خوشی۔

نہیں تم اپنی خوشی سے چل سکتی ہو تو چلو —— وہاں میں تمھیں لڑکیوں کے اسکول میں داخل کرا دوں گا۔ وہاں خوب پڑھنا۔ لکھنا سیکھ لوگی۔

جمنا۔ اسکول میں! یہ تو میں آپ سے گھر میں رہ کر سیکھ لوں گی"

ستیش۔ مگر ہم تم ایک گھر میں نہیں رہیں گے نا۔

جمنا۔ پھر میں کہاں رہوں گی"

ستیش۔ لڑکیوں کے اسکول میں۔

جمنا۔ اور آپ؟

ستیش میں بالکل الگ۔

جمنا۔ تو میں ایسے نہ جاؤں گی۔

ستیش۔ (اکھڑ کر) نہ جاؤں گی۔

جمنا۔ "الگ اسکول میں رہنے کے لئے کلکتہ جا کر کیا کرونگی؟

ستیش۔ جمنا۔ اب میں تمہیں صاف صاف ہی کیوں نہ بتا دوں۔

تمہیں معلوم ہے کہ ہماری شادی کو کئی سال گذر گئے۔ اور اب تک ہم تم بالکل الگ رہے۔ جانتی ہو ایسا کیوں ہوا۔"

جمنا۔ ــــ جی نہیں۔"

ستیش۔ بات یہ ہے کہ ہماری تمہاری شادی صرف نام کی ہے۔ جو پرانی سماجی جکڑبند سے ہوئی۔ نہ میں نے تمہیں دیکھا اور نہ تم نے مجھے۔ اس لئے میں تمہیں اپنی بیوی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ بھی سمجھ لو کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔

جمنا۔ یہ تو میں جانتی ہوں"!

ستیش۔ اور مجھے جس لڑکی سے پریم ہے۔ وہ کلکتہ میں ہے۔ وہ بھی مجھ سے پریم کرتی ہے۔ بہت پڑھی لکھی ہے ــــ برہمو سماج میں آتی جاتی ہے اور وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے۔

جمنا۔ تو آپ کلکتہ اسی لئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ستیش۔ ہاں میں کلکتہ جا رہا ہوں ــــ کہ اس سے شادی کر لوں ہم دونوں میں پہلے سے پریم ہے۔ اسی لئے میں تمہارا نہیں ہو رہا ہوں۔

جمنا۔ پھر آپ مجھے کلکتہ کیوں لئے جا رہے ہیں؟

ستیش ۔ میں وہاں الگ اسکول میں داخل کرادوں گا۔ تم پڑھ لکھ کر ودوان بن جاؤ گی ۔

جمنا۔ ودوان بن کر کیا کروں گی ۔

ستیش ۔ کہیں لڑکیوں کے اسکول میں نوکری کرلو گی۔ اور آرام سے زندگی گزار سکو گی ۔ کیوں کہ میں تم سے الگ رہوں گا ۔ میرا تمھارا کوئی ساتھ نہیں ـــــ

جمنا۔ مگر میرا دوش ـــــ

ستیش۔ تم نردوش ہو جمنا! ـــــ مجھے تم سے پوری ہمدردی ہے ۔ اسی لئے میں تمھاری زندگی خراب کرنا نہیں چاہتا ہمارے بزرگوں نے ہم دونوں کو بے زبان جانوروں کی طرح جکڑ دیا ہے ـــــ مگر تم اس کی سزا کیوں بھگتو ۔ میں چاہتا ہوں کہ میں تمھاری زندگی سکھ چین سے گزارنے کے لائق بنا دوں اور میرا راستہ بھی صاف ہو جائے ۔ اب بتاؤ۔ تم چلو گی ۔

(خاموشی)

جواب دو جمنا

ـــــ ارے تم رو رہی ہو ۔ رونے کی کیا بات ہے ۔ میں تمھاری بھلائی کا انتظام کرنا چاہتا ہوں ۔ جمنا روؤ نہیں ۔

(رونے کی آوازیں)

جمنا۔ (روتی ہوئی آواز) ناتھ! ——
ستیش۔ نہیں جمنا مجھے ایسا نہ کہو۔
جمنا۔ (رونے کی آواز) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"
ستیش۔ جمنا۔ تم تو آنسوؤں کی دھارا بہانے لگیں۔
جمنا۔ ناتھ۔ میں اسی دھارا میں بہہ جاؤں گی۔
ستیش۔ نہیں جمنا ایسی باتیں کیوں کرتی ہو۔ تمھیں مجھ سے الگ ہونے کا ایسا دکھ کیوں ہے۔ ہم دونوں غیر ہیں۔ نام کا رشتہ جوڑا گیا ہے۔ اس سے محبت نہیں ہو سکتی۔ میں اسی قید سے تمھیں آزاد کرنا چاہتا ہوں۔
جمنا۔ نہیں ناتھ۔ ایسے نہ کہو۔ بھگوان کے لئے۔ (رونا)
ستیش۔ بھلا یہ رونے کی کیا بات ہے۔ (گھنٹہ چار بجاتا ہے) اوہو۔ چار بج گئے۔ صبح ہونے کو آئی ——
جمنا۔ (روتے ہوئے) میں جا رہی ہوں)
ستیش۔ تم نے میری بات کا پورا جواب نہیں دیا۔ جمنا اپنے دل کی بات صاف صاف کہہ دو۔
جمنا۔ میرا دل قابو میں نہیں سوامی۔
ستیش۔ اچھا تم کل آؤ گی"
جمنا۔ دیکھیے۔
ستیش۔ نہیں ضرور آنا۔ اور سوچ کر چلنے کو تیار ہو کے بولو۔ ضرور آؤ گی۔

جمنا۔ (روتی ہوئی آواز) اچھا ——— (جانا)

ستیش۔ "نادان استری ——— آنسو بہاتی ہوئی گئی ——— غیر مرد کے لئے! ——— صرف بیاہ کا نام ہونے سے کیا۔ اس کے دل میں میرا پریم بھی ہو سکتا ہے۔ یہ کیا ——— اوہو جمنا کے بالوں سے سونے کی پن گر گئی ——— کیسی خوبصورت پن ہے (سونگھتا ہے) ۔ خوشبو۔ بالوں کی خوشبو۔ ہے۔ (رک رک کے) جمنا خود بھی خوبصورت ہے۔ ہونہہ ——— ستیش پاگل ——— رام کلی سے زیادہ خوبصورت ہو سکتی ہے۔ جمنا رو رہی ہے ——— کیا اسے مجھ سے پریم ——— !نہیں ——— رام کلی سے زیادہ پریم نہیں ہو سکتا ——— رام کلی ——— دنیا کا سب سے پیارا اور حسین پھول ——— !!

تیسرا منظر

(دوسرے دن صبح کو ستیش باغ میں گھبرایا ہوا ٹہل رہا ہے)

ستیش۔ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میرا کیا کھو گیا ہے۔ میں کسے ڈھونڈھ رہا ہوں۔ نہ گھر میں چین ہے نہ یہاں باغ میں جی بہلتا ہے۔

آج میں نے صبح کو پوجا بھی نہیں کی ۔ باغ کے سارے پھول
آج کمھلائے ہوئے کیوں ہیں ___ کیا انھیں پانی نہیں دیا
گیا ! ۔ مالی مالی ۔ یہ مالی کہاں چلا گیا ۔

(مالی روتا ہوا آتا ہے)

مالی ۔ حجور سنیا ناس ہو گیا ۔
ستیش ۔ (گھبرا کر) کیوں مالی ۔ کیوں روتا ہے ۔ کیا ہو گیا ؟
مالی ۔ ہجور ۔ جھٹ ڈیا کو بلانے جا رہا ہوں ۔ گجب (غضب) ہو گیا ۔
سانپ نے ڈس لیا ہے (دوڑا ہوا چلا جاتا ہے)
ستیش ۔ (گھبرائی ہوئی آواز) سانپ نے ڈس لیا ۔ کیسے ڈس لیا ۔
مالی مالی ! چلا گیا ___ جمنا کیسی ہے ۔ کس سے معلوم
کروں ۔ یہ کون ۔ جانکی ! جانکی ! تم کہاں جا رہی ہو ! "
جانکی (اطمینان سے) کہیں نہیں بھیا ___ میں باغ میں ___
ستیش ۔ (گھبرایا ہوا) تمھیں خبر ہے ۔ سانپ نے ڈس لیا ۔
جانکی ہاں بیچاری مرنے کے قریب ہے ۔
ستیش ۔ (پریشان) کیا کہا ۔ مرنے کے قریب ۔ "
جانکی ۔ ہاں ابھی رو تا جا رہا تھا ۔ غریب کی بیوی کو سانپ نے
کھا لیا ___ بیچارہ مالی ___
ستیش ۔ مالی کی بیوی کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
جانکی ۔ جی ہاں ۔ مالی کی بیوی کو سانپ نے کاٹا ہے ۔ آپ

یہاں کیسے آئے۔ یہ آپ کی پوجا کا سمے ہے۔"

ستیش۔ ہاں آج بہت صبح اٹھ گیا تھا۔ ذرا سیر کو آ گیا۔

جانکی۔" بھیا یہ گلاب کے پھول دیکھئے۔ کیسے سندر ہیں۔ ہماری چھوٹی بھابی کو یہ بہت پسند ہیں۔

ستیش۔ تو۔ جانکی توڑ لو۔ دو چار پھول لے جاؤ۔

جانکی۔ جی نہیں لے جا کے کیا کرونگی۔ وہ پھول پہنتی نہیں ہیں۔ اچھا جا رہی ہوں۔ بھابی اکیلی گھبرا رہی ہوں گی۔

(جاتی ہے)

ستیش۔ جانکی چلی گئی۔ میں نے جمنا کے بالوں کی پن اس کو نہ دیدی۔ مگر نہیں اچھا ہوا۔ وہ سب سے کہہ دیتی۔ نہ جانے کوئی کیا سمجھتا۔ جانکی کہتی ہے جمنا کو یہ پھول بہت پسند ہیں۔ مگر وہ پھول پہنتی نہیں۔ یہ کیوں۔ وہ چاہتی ہوگی۔ اسے پھول میں پہناتا۔ کیا اسے مجھ سے پریم ہے۔ دیوانی بے دیکھے بیاہ کے نام سے پریم کیسا۔ اور مجھ سے چھوٹ جانے کا رونا کیوں۔ مالی کی بیوی کو سانپ نے ڈس لیا۔ وہ روتا پھر رہا ہے۔ کیا بیاہ کے نام سے بھی ایسا پریم بندھن ہو جاتا ہے۔ (مالی روتا ہوا آتا ہے۔ اس کی بیوی مر گئی)۔

(روتا ہوا) مالک ستیا ناس ہو گیا۔ گھر اجڑ گیا۔ میں

لٹ گیا۔

ستیش۔ ہیں۔ مالی کیا ہوا۔

مالی۔ ہجور کی مالن ڈکھ دے گئی۔ مجھ سے روٹھ گئی۔ گجر (گذر) گئی

ستیش۔ "چہ چہ حہ" بہت برا ہوا۔ سنو مالی کہاں جاتے ہو؟

(جانا)

مالی۔ " (روتا ہوا چلا جاتا ہے)

ستیش۔ بیوی کے مرنے کا ایسا رونا ——— یہ گنوار لوگ ایسا پریم کیا جانیں۔

جاہل مالی کو بیوی کا چھٹنے کا کیسا غم ہے۔ کہتا ہے سنیاناس ہوگیا۔ کمار کہتا تھا۔ بے دیکھے بیاہ کا منتر پڑھ دینے سے میاں بیوی کا نام ہو جاتا ہے۔ سچا پریم نہیں ہوسکتا۔ اس وقت وہ یہاں ہوتا تو مالی کا رونا دیکھتا۔ کیا اس مالی کا پریم سچا نہیں ——— جمنا بھی مجھ سے الگ ہو جانے پر ایسا روئی ——— یہ رشتہ بھی ضرور کچھ۔

(نوکر آکر خط دیتا ہے)

نوکر۔ بابو جی۔ ڈاک میں یہ چٹھی آئی ہے۔

ستیش۔ لاؤ ——— کمار کا خط ——— کلکتہ سے ——— کیا لکھا ہے۔ !

"پیارے دوست ۔ !"

میں نے تمھاری ملازمت کا معقول انتظام کر لیا ہے ۔
تمھارے آتے ہی دو سو روپیہ کی جگہ مل جائے گی ۔
فوراً آ جاؤ ۔ رام کلی تمھاری یاد میں بیتاب ہے ۔ روز کلب
میں ملتی ہے ۔ تمھیں یاد کرتی ہے ۔ تمھارے گھر والوں کے ڈر
سے خط نہیں بھیجتی ۔ اس کو تم سے سچا پریم ہے ۔"
تمھارا
کمار

ستیش ۔ رام کلی کو مجھ سے سچا پریم ہے ۔ میں اسے دل سے چاہتا
ہوں ۔ جمنا دیوانی ہے جو میرے لئے روتی
ہے ۔ میرا اس کا کیا ساتھ ——— مجھے اب کلکتہ جانے میں
دیر نہیں کرنی چاہئے ۔

(نوکر آتا ہے اور دوسرا خط دیتا ہے)

نوکر ۔ بابو جی یہ چٹھی ۔
لاؤ ۔ اب کس کی چٹھی ہے ——— یہ تو ———
ستیش ۔ ایں ۔ ۔ ۔ ۔ (پڑھ کر) "میرے پران ناتھ !
میں آپ کی ہوں اور آپ کے چرنوں سے لگی رہوں گی ۔ آپکی
آگیا کا پالن کروں گی ۔ جہاں آپ لے چلیں ۔ میں چلنے کو تیار ہوں ۔"
(نام پڑھتے ہوئے جھجکتا ہے)
چرنوں کی داسی
"جمنا"

"چرنوں کی داسی ——— !"

جمنا کلکتہ جانے کو تیار ہے ؟ میرا حکم ماننے کو سب کچھ کرے گی۔ کیوں کیا اس کو مجھ سے پریم ہے۔ اس نے لکھا ہے۔ "میرے پران ناتھ!" ——— وہ مجھے اپنا جانتی ہے۔ نادان۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میرا اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ ہم دونوں غیر ہیں۔ پھر بھی وہ لکھتی ہے "چرنوں کی داسی" ——— کیا بیاہ کے بندھن نے اس کو ایسا جکڑ دیا وہ میرے ساتھ ایسی بندھ گئی ؟ دنیا کی یہ رسمیں بھی عجیب ہیں ——— مگر کمار ٹھیک کہتا ہے۔ یہ سب رسمیں باتیں ہیں۔ دل کی محبت اور چیز ہے۔ جمنا کے یہ لفظ بھی رسمی ہیں! رام کلی کو مجھ سے سچا پریم ہے مجھے آج ہی رات کو روانہ ہونا چاہیے ——— رام کلی کو میرا انتظار ہے!

چوتھا منظر

(کئی روز بعد ستیش اور جمنا کو کلکتہ پہنچے دو روز ہو گئے۔ ایک چھوٹے سے کمرے میں دو تلہ پر مقیم ہیں۔ کمار مل گیا ہے مگر جمنا کلکتہ پہنچنے کے دن سے ہی بیمار ہے۔ اس کو سخت بخار ہے۔ آج ڈاکٹر نے خطرناک بخار تجویز کیا ہے۔ کمار جمنا کے بیماری کے سبب اس روز سے نہیں آیا ہے۔ ستیش اکیلا تیمار داری میں لگا ہوا ہے۔ کوئی نوکر چاکر بھی نہیں ہے)

جمنا۔ (کراہتی ہے) آہ ____ ناتھ ____ آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا
نہ جانے کب سے میرے پاس بیٹھے ہو۔ چلو میں کھانا گرم کردوں۔
یہ ہم کہاں ہیں۔ (اٹھتی ہے اور گر جاتی ہے) ____ آہ۔
مجھ میں سکت بھی نہیں۔

ستیش۔ جمنا۔ تم فکر مت کرو۔ تم بہت کمزور ہے۔ ہم کلکتہ میں ہیں۔
آج چار روز ہوئے تمھیں اتنا بخار ہے کہ ہل بھی نہیں سکتیں۔
چار روز بعد اتنا ہوش آیا ہے۔ میرے کھانے کی فکر نہ کرو۔

جمنا۔ نہیں بخار ایسا نہیں۔ یہاں کچھ کچا کچا خراب ملتا ہوگا۔ میں
خود پکا بھی نہیں سکتی۔ ٹھنڈا کھانا نہ کھایئے گا۔ طبیعت خراب
نہ ہو جائے۔ میں گرم کردوں گی۔

ستیش۔ جمنا۔ یہاں مجھے کھانے پینے کا ہوش نہیں۔ آج کئی دن
ہوئے تمھارے منہ میں ایک دانہ تک نہیں گیا ہے۔ ریل سے اترتے
ہی تمھیں سخت بخار چڑھا ہے۔ اور ابھی تک بڑھتا ہی جاتا
ہے۔

جمنا۔ ہونہہ ____ مجھے تو گھر سے ہی بخار تھا ____ اب کچھ زیادہ
ہو گیا ہوگا۔ آپ کچھ سوچ نہ کیجیے۔

ستیش۔ پھر تم نے وہاں نہ کہہ دیا ____ بیماری میں کیوں چلی آئیں۔

جمنا۔ آپ کلکتہ آرہے تھے۔ میں رہ جاتی۔

ستیش۔ نہیں ٹھہر کے آجاتے۔

جمنا۔ تو اب کیا ہرج ہے۔ مجھے کچھ نہیں ہو گا۔
ستیش۔ ایشور کچھ نہ کرے جمنا ـــــ مجھے بڑی فکر یہ ہے کہ ہم یہاں اکیلے ہیں۔
جمنا۔ کیوں۔ کمار نہیں۔؟
ستیش۔ کمار ہمارے آنیکے دن یہاں آئے تھے ـــــ وہی اس کمرہ کا انتظام بھی کرا گئے ہیں۔ پھر نہیں لوٹے۔ میں نے ڈاک سے چٹھی بھی بھیجی تھی۔ جواب نہیں آیا۔
جمنا۔ کوئی کام ہو گیا ہو گا۔
ستیش۔ اور کیا۔ مگر تمہاری بیماری کی پریشانی بڑھتی جاتی ہے۔ آج ڈاکٹر صاحب کہتے تھے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
جمنا۔ (بات کاٹ کر) ناتھ۔ یہ ڈاکٹر بہت فیس لیتے ہیں۔ دواؤں پر بھی اتنا روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ یہ پردیس ہے۔ مجھے کسی ہسپتال میں بھیج دیجئے۔
ستیش۔ نہیں جمنا۔ خرچ کا سوچ کچھ نہیں۔ تم اچھی ہو جاؤ۔ تمہاری تکلیف مجھ سے نہیں دیکھی جاتی ـــــ میں اکیلا تمہیں آرام بھی تو نہیں دے سکتا۔
جمنا۔ آپ مجھے اسکول میں داخل کرا دیجئے نا۔ وہ لوگ دیکھ بھال کریں گے۔ آپ بیکار تکلیف اٹھا رہے ہیں۔
ستیش۔ تمہاری بیماری کی پریشانی ہی کافی ہے۔ تم ایسی باتیں کر کے

زیادہ نہ ستاؤ۔ ایشور تمھیں اچھا کرے۔

جمنا۔ (کراہتے ہوئے) ناتھ ـــــــ مجھے بچانے کی فکر نہ کیجیے۔ یہ بیماری میں جانوں۔ بھگوان نے دکھوں سے چھڑانے کو بھیجی ہے۔

ستیش۔ چپ رہو۔ جمنا۔ کئی دن سے تم بے ہوش تھیں۔ ابھی ڈاکٹر کہہ گیا ہے۔ یہ بخار بہت اندیشہ کا ہے۔

جمنا۔ ناتھ۔ میری بات مانو۔

ستیش۔ کیا کہتی ہو۔

جمنا۔ یہی کہ میرے علاج پر کچھ خرچ نہ کرو۔ مجھے بیماری سے نہ بچاؤ۔

ستیش۔ نہیں جمنا ـــــــ (بھرّائی ہوئی آواز) تم رؤ مت ـــ ایشور تمھیں اچھا کرے! ـــــــ میں دل و جان سے تمھیں بچانے کی کوشش کروں گا۔

جمنا۔ سوامی۔ میں جانتی ہوں۔ اب میرے چلنے کا وقت آچکا ہے۔ تمھیں میرے بندھن سے چھٹکارا مل جائے گا۔ بس اب چلنے ہی دو۔ (حسرت ناک لہجہ۔ کراہتے ہوئے) میں اپنے کو بھاگوان سمجھوں گی۔ پہلی منزل تک پہنچا دینا (رونا)

ستیش۔ (بھرّائی آواز)۔ نہیں جمنا۔ آنسو مت بہاؤ۔ میں تمھیں

کہیں نہ جانے دوں گا۔

جمنا۔ (روکر) ——— میرے پران ناتھ ——— بیہوش ہو جاتی ہے۔

ستیش۔ جمنا۔ جمنا۔ ہیں کیا بیہوش ہو گئیں۔ بھگوان سہائیتا۔

(ڈاکٹر کا آنا)

ڈاکٹر۔ "ہلو۔ مسٹر ستیش ——— مریض کا کیا حال ہے؟

ستیش۔ ڈاکٹر صاحب۔ جلدی دیکھئے۔ وہ بیہوش ہے۔

ڈاکٹر۔ آپ گھبرائیے نہیں۔ (دیکھ کر) کمزوری بہت زیادہ ہے۔ اسی سے غش آگیا ہے

ستیش۔ ابھی۔ اچھی خاصی باتیں کر رہی تھی۔

ڈاکٹر۔ آپ مریض سے زیادہ باتیں نہ کریں۔ یہ بہت کمزور ہیں ابھی دوا دیتے ہیں۔ مگر آپ کئی روز سے برابر یہاں بیٹھتے ہیں۔ یہاں کوئی آدمی بھی آپ کے ساتھ نہیں۔

ستیش۔ سب ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب ——— مجھے صرف جمنا کی فکر ہے

ڈاکٹر۔ گھبرائیے نہیں۔ اچھی ہو جائیں گی ——— یہاں آپ کا کوئی دوست نہیں۔

ستیش۔ جی دوست تو ہیں

ڈاکٹر۔ تو وہ آپ کے پاس نہیں آتے۔

ستیش۔ آئے تھے۔ مگر اب کئی دن سے۔۔۔۔۔۔۔
ڈاکٹر۔ مریض کو دیکھ کر نہیں آئے ہوں گے۔ یہ بخار زہریلا اور چھوت کا ہے۔ آپ بھی ذرا مریض کے پاس احتیاط سے رہیں۔ بخار ابھی خطرناک ہے۔
ستیش۔ کچھ ڈر نہیں ڈاکٹر صاحب ــــ دیکھئے مریض کو دوا دینے سے بھی ہوش نہیں آیا۔
ڈاکٹر۔ کچھ ہرج نہیں۔ میں نے بے ہوش رہنے ہی کی دوا دیدی ہے ذرا دماغ کو آرام ہی ملنا چاہیئے۔ آپ اپنے دوست کو بلا لیجئے۔ پردیس ہے اور آپ اکیلے ہیں ــــ اب آپ بھی آرام کیجئے۔ ہم صبح پھر آئیں گے۔ رات گذر گئی۔ تو اطمینان ہو جائے گا ــــ گڈ نائٹ۔
ستیش۔ "گڈ نائٹ ڈاکٹر" (جانا)
ستیش۔ "رات گذر گئی تو اطمینان ہے۔ ڈاکٹر نے یہ کیا کہا۔ نہیں تو ــــ کیا ہوگا؟۔۔۔۔ بھگوان جمنا ــ کیا ــ سچ مچ مجھ سے الگ ہونے کو آئی تھی۔ میرا یہاں کوئی بھی نہیں۔ کمار ایسا سچا دوست اب یہاں آتا بھی نہیں۔ کیا جمنا کی بیماری سے ڈرتا ہے روپیہ بھی سارا ختم ہونے کو ہے ــــ ہو جائے مگر جمنا اچھی ہو جائے ــــ نہ جانے کمار نے رام کلی

کو میری خبر کی یا نہیں ۔ کیا وہ مجھے اب بھی سچے دل سے چاہتی ہے ۔

(جمنا بے ہوشی میں کراہتی ہے " ناتھ سوامی آپ آرام کیجیے اور ستیش گھبرا کر "جمنا ۔ جمنا" پکارتا ہے)

ستیش ۔ "جمنا ۔ جمنا ـــــ ہے ایشور ۔ اب کیا ہوگا ۔

پانچواں منظر

(دوسرے دن صبح کو ـــــ وہی کمرہ ـــــ جمنا بیہوش ہے ۔ ستیش پاس بیٹھا گھبرا رہا ہے ۔ نہ کوئی ڈاکٹر بلانے والا ہے ۔ نہ حال پوچھنے والا ۔ وہ ڈر رہا ہے کہ نہ جانے ڈاکٹر آ کر کیا کہے گا ۔)

ستیش ۔ بھگوان ۔ یہ تکلیف کیسے دیکھی جائے گی ۔ رات بھر جمنا کو تڑپتے گزری ۔ نہ جانے کیا دکھ ہے ۔ یہ دکھ سہہ کر بھی اسے مجھ سے شکایت نہیں ہے ۔ بھگوان سہایتا کر ۔ جمنا کو بچائے ۔ !"

(باہر سے نوکر کی آواز آتی ہے)

نوکر ۔ بابو جی یہ چٹھی لے لیجیے ۔

ستیش ۔ اندر لے آؤ ـــــ کس کی چٹھی لائے ہو ۔

ساتھ چلوں گی ۔ جیسے جی چاہے رکھو ۔ مگر ساتھ لے چلو ۔

ستیش ۔ ہوش میں آؤ جمنا کیا کہہ رہی ہو ۔ میں یہاں تمھارے پاس ہوں ۔ تمھیں چھوڑ کر کہاں جاؤں گا ۔ لو پانی پیو ۔

جمنا ۔ آہ ہم کہاں ہیں ناتھ ۔ کیا آپ نے مجھے اسکول میں ڈال دیا ۔

ستیش ۔ نہیں تم میرے پاس ہو ۔ میں تمھیں دل سے لگا کر رکھوں گا ۔

جمنا ۔ پران ناتھ ——— !

ستیش ۔ میری پیاری ——— !

(ڈاکٹر کا داخلہ)

ڈاکٹر ۔ ہلو ۔ مسٹر ستیش ۔ ہم آ سکتے ہیں ؟

ستیش ۔ تشریف لائیے ڈاکٹر صاحب ۔

جمنا ۔ ناتھ ! یہ کون ہیں ۔ میرے منہ پر چادر ڈال دو ۔

ستیش ۔ ڈاکٹر صاحب ۔ معلوم ہوتا ہے ۔ کئی روز بعد آج جمنا کو پورا ہوش آیا ہے ۔ ابھی پانی بھی مانگا ۔

ڈاکٹر (دیکھ کر) ستیش بابو ۔ آپ کو مبارک ہو ۔ مریض خطرے سے باہر ہے ۔ صرف کمزوری باقی ہے ۔ مرض بہت خطرناک تھا ، رات گزرنا مشکل تھی ۔ آپ نے بہت اچھی دیکھ بھال کی ۔ آپ کو اپنی بیوی سے بہت پریم معلوم ہوتا ہے آپ نے انھیں موت کے پنجے سے چھڑا لیا ۔

ستیش ۔ نہیں ڈاکٹر صاحب ۔ یہ آپ کی عنایت کا نتیجہ ہے ۔

ڈاکٹر ۔ یہ ہمارا فرض تھا ۔ اچھا ۔ اب ہم شام کو آئیں گے ۔ گڈ بائی ، گڈ بائی ۔ (جانا)

کیا گھبر۔ بابو جی ۔"

اچھا ڈاک سے آئی ہے ۔کمار کی معلوم ہوتی ہے، ہاں اسی کی ہے ۔"

پیارے، دوست"!

جمنا کی بیماری سے فکر ہے ۔ رام کلی کو آپ سے بڑی شکایت ہے کہ کلکتہ
میں چار پانچ روز سے ہیں اور مجھ سے نہیں ملے وہ آپ سے بہت ناراض ہیں
آپ نے اپنی بیوی کے لئے رام کلی کو چھوڑ دیا۔ اس لئے اس ہفتہ میں مسٹر
اننت بوس وکیل سے ان کی منگنی قرار پائی ہے ۔ میں ایک ہفتہ کے لئے
باہر جارہا ہوں ۔ آپ نے جمنا کی بیماری میں نوکری بھی کھو دی ۔ اس جگہ دوسرا
شخص آگیا۔ پھر ملیں گے ۔"

آپ کا دوست
رو کمار"

جھوٹا ۔ دنیا بھر کا فریبی دوست بنتا ہے؟ ۔ یہ ہے آج کل کی دوستی۔ ڈاکٹر
سچ کہتا تھا! ہونہہ! رام کلی مجھے سچے دل سے چاہتی تھی۔ اب کسی وکیل سے منگنی
ہو رہی ہے ۔ میں اپنی مصیبت میں تھا یا اس سے ملنے کی فرصت تھی؟ رام کلی ذرا
سی بات پر روٹھ کر الگ ہو گئی ۔ جمنا اتنی تنگی سہنے پر بھی میری شکایت نہیں کرتی
وہ سنہ دیکھے کی محبت تھی اور یہ ہے سچا ۔ "پریم بندھن" اسے کوئی نہیں توڑ سکتا
— بھگوان میری جمنا! (پریشان آواز)

جمنا۔ دکھ وٹ لیتی ہے ۔ اور کراہتے ہوئے پانی مانگتی ہے۔ آہ۔ آہ۔ ناتھ! پانی
ستیش بیہوشی میں بھی ناتھ کو پکار رہی ہے ۔ جمنا۔ کیسی طبیعت ہے ۔
جمنا۔ اچھی ہوں سوامی —— تم کہاں ہیں ۔ مجھے چھوڑ کے نہ جائیے ۔ میں

جمنا۔ (کراہنا) ۔ ! سچ سچ ۔ آپ نے میرے لئے بڑا دکھ اٹھایا۔ اور سیکڑوں
روپیہ خرچ کر ڈالا۔
ستیش۔ جمنا یہ میرا فرض تھا۔
جمنا۔ (جمنا کی آواز بیماری کے سبب بہت کمزور ہے) "فرض"۔ ؟؟
ستیش۔ مان لو اگر میں بیمار ہو جاتا تو کیا تم میری سیوا نہ کرتیں۔
جمنا۔ بھگوان نہ کریں۔ ایسی باتیں زبان سے کیوں نکالتے ہیں؟
ستیش۔ یوں ہی کہہ رہا ہوں! بتاؤ کرتیں یا نہ کرتیں۔
جمنا۔ کیوں نہ کرتی۔ جان اور دل سے کرتی۔
ستیش۔ کیوں کرتیں بھلا
جمنا۔ (شرمائی ہوئی)۔ آپ میرے پتی ہیں۔ سوامی!
ستیش۔ تو تم میری دھرم پتنی
جمنا۔ "سوامی"
ستیش جمنا۔ تم مجھے یہاں چھوڑنے اور بیاہ کا رشتہ توڑنے آئی تھیں۔ مگر ہمیشہ کیلئے
اپنا بنا لیا۔
جمنا۔ یہ جانکی کا احسان ہے اور پرماتما کی کرپا۔
ستیش۔ جمنا۔ میری آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا۔ میں اب دنیا کو خوب سمجھ گیا۔
جمنا۔ دنیا نے کیا کیا سوامی ۔ ؟
ستیش یہ سب دنیا ہی ہے۔ کمار کو آشا تھی ۔ میں دھن دولت روپیہ
لے کر یہاں آؤں گا۔ جب پہلے دن اس نے ایسا نہ پایا۔

اور تمھیں بیمار دیکھا تو لوٹ کر منہ نہ دکھایا۔

جمنا۔ ہاں ناتھ۔ میں بھول گئی تھی ——— وہ رام کلی

ستیش۔ کسی کا نام نہ لو جمنا۔ میری سب کچھ تم ہو۔ تم ہی نے مجھے سوتے سے جگایا۔ اور یہ سمجھایا کہ بیاہ کا رشتہ سب سے پیارا اور پوتر ہوتا ہے۔ جسے میں قید سمجھتا تھا۔ وہ "پریم بندھن ہے" سچا "پریم بندھن"

جمنا۔ اور ناتھ۔ آپ نے مجھے سکھایا کہ پتی بھگتی ہی۔ سچی پریم پتی بھگتی ہے۔

ستیش۔ جمنا چلو۔ اب اپنے گاؤں لوٹ چلیں۔ مگر پتا جی کو تار دیکر کرایہ ....

جمنا۔ نہیں سوامی تار کی کیا ضرورت ہے۔ میرے بکس میں زیور ہے۔ اسے بیچ لیجئے۔ روپیہ بہت ہو جائیگا۔

ستیش۔ زیور تم کیوں لائیں ——— میں نے تو کہا تھا زیادہ سامان نہ لانا۔

جمنا۔ آپ کی امانت تو ساتھ لانا تھی ——— آپ کے سندر بیاہ پر بہن رام کلی کا حق ہوتا۔

ستیش۔ جمنا ——— تمھارا دل پوتر جمنا ندی کی طرح کھلا اور صاف ہے۔

جمنا۔ میں سوامی کے چرنوں کی داسی ہوں۔

پریتما۔ "اب ہم اپنے گاؤں چل کر بیاہ کی خوشی مناسیں گے۔ پریم بندھن کی جے پکاریں گے"۔
ہردیشور"
"ہردیشوری"۔ میرے دل کی رانی۔
(دونوں ہنستے ہیں)

———— ✻ ————
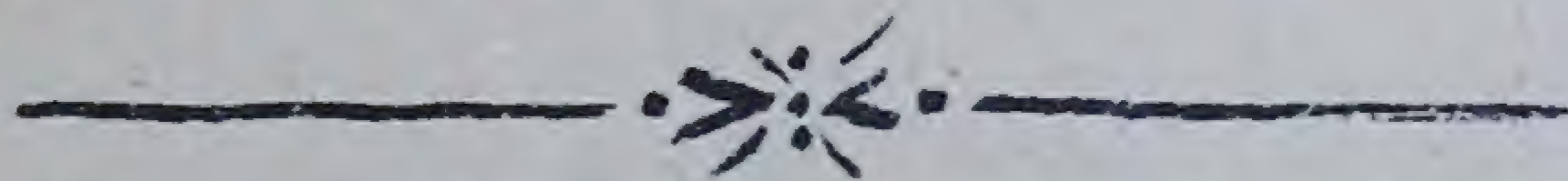
(افسانہ)

عید مبارک!!

عید مبارک

"محبت کی جوانی پر بہار آتی ہے تو زندگی مسکراتی ہے"

یہ دل دوز داستان ترکی کے دو نوجوان دلوں کی ہے۔ جن کی پاکیزہ محبت نے ایک روح پرور کیف آگیں عالم بسایا۔

شوکت آفندی ایک اعلیٰ خاندان ایک ترک نوجوان تھا، جو اپنے ضعیف باپ سعید آفندی کے سایۂ عاطفت میں جوانی کے دن اور مرادوں کی راتیں بسر کرتا تھا۔

ریحانہ ایک دوسرے اولوالعزم خاندان کی چشم و چراغ تھی۔ جو حسن و جوانی کے پر بہار گلشن میں ایک "گلِ نوخیز" کی مانند پھول رہی تھی۔ حسن مسکراتا ہے۔ ہزاروں جوانیاں اس پر قربان ہونے کو ترستی ہیں۔ یہی عالم اس گلِ نورس ریحانہ کا تھا۔ ترک نوجوان ایک نہیں بشمار اس سلیقہ مند اداشناس حسینہ کے طلب گار تھے۔ وہ بھونروں کی طرح منڈلاتے مگر دور ہی دور سے۔ کوئی بھی اس گلِ آتشیں کے پاس آنے کی تاب نہ لا سکتا۔ پروانہ وار اس شمع حسن کے گرد گھومتے لیکن مجال نہ تھی کہ دپاک شعلہ کو چھو سکتے۔

شوکت آفندی ابتدائی تعلیم ختم کر کے، فوجی اسکول میں تربیت پا رہا تھا، وہ بھی اس گروہ میں سے ایک تھا جو حسن و جمال کی دیوی ریحانہ کی پرستش اپنا ایمان سمجھتا۔ لیکن اس کی پرستاری۔ اور محبت کی حقیقی کشش نے سارے گروہ میں شوکت کو ممتاز بنا دیا، ریحانہ بھی اسے دل سے چاہنے لگی

پہلے تو گاہے گاہے دلوں کی باتیں نگاہوں سے ہوتی رہیں۔ لیکن آخر عشق کی اس منزل میں دونوں نے قدم رکھا، جہاں زبان بیزبانی ایک دوسرے کو اپنی داستان سناتی اور "حرف" کے بغیر حکایت کہہ جاتی۔ دیکھنے والوں پر حقیقت آشکارہ ہو گئی۔ اور تاڑنے والے جو قیامت کی نظر رکھتے ہیں، مشہور ہیں۔ سمجھ گئے کہ ریحانہ وہ شعلہ ہے، جس کی لپک کو کوئی نہیں پا سکتا۔ اگر اس تک کسی کی رسائی ہو سکتی ہے تو وہ "پروانہ" صرف شوکت ہے۔ محبت جب اپنی پائداری پر اتراتی ہے تو وفا کے راگ گاتی ہے۔

ہوتے ہوتے دونوں خاندانوں نے اس راز کو پا لیا۔ محبت کے پاکیزہ جذبات گناہ نہیں پھر کیوں نہ دو سچے پرستار جو ایک دوسرے کو اپنا بنانا چاہتے ہیں۔ دائمی رشتہ میں منسلک کر دئے جائیں۔

یہ تھا وہ فیصلہ جو ریحانہ اور شوکت کے والدین نے اپنے نونہالوں کی دلی کیفیات کو سمجھ لینے کے بعد کیا۔ حسن و محبت اپنی کامگاری پہ شاد ہوئے، دنیائے وفا جھوم اٹھی۔ اور ان دن کی

گھڑیاں گنی جانے لگیں۔ جب رسمی طور پر 'مبارک سلامت' کی دھوم مچی
اور یہ دونوں ایک دوسرے کے دامن سے وابستہ نظر آئیں۔
ریحانہ اور شوکت آفندی کی نسبت تو ہو چکی تھی۔ لیکن نکاح اور رخصتی
کی تاریخ مقرر ہونا باقی تھی۔ اس کے لئے ان کے والدین نے طے کیا کہ عید
کا چاند دیکھ کر اس نیک ساعت کا تعین کریں گے۔
دونوں خاندانوں میں شادی کی تیاریاں دھوم دھام سے ہونے لگیں
اور ادھر یہ پرستاران وفا اپنی اپنی جگہ مسرور و شاداں مضطرب 'ہلال عید'
کے پرکیف دید کے منتظر تھے۔
رفتہ رفتہ یہ گھڑی قریب آتی جا رہی تھی۔
اچانک یہ خبر سنی گئی کہ یونانیوں نے ترکی کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا
اور دیکھتے ہی دیکھتے چند دنوں میں معرکہ کارزار گرم ہو گیا۔ ترکی چاروں
طرف سے خونخوار یونانی سپاہ کے شکنجہ میں جکڑا نظر آنے لگا۔
فرزندان وطن اپنی آن اور ملک کی شان بچانے کے لئے آگ کے
شعلوں میں کود نا پڑا۔ سینکڑوں دولہنوں کا سہاگ اجڑ گیا۔
ہزاروں گھر بے چراغ ہو گئے۔ پر امن زندگی قتل و غارت
کے کھیل میں مصروف نظر آنے لگی۔ موت کے پر ہیبت دیو سے
زیادہ ہولناک یہ احساس تھا کہ تھوڑی مدت میں۔ نہ جانے کب 'مادر وطن'
دشمنوں کے قبضہ اقتدار میں ہو گی۔ توحید کے پرستار، لامذہب
اغیار کی غلامی اختیار کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اس شرمناک زندگی

سے آزادی کی راہ میں قربان ہو جانا ہزار درجہ بہتر تھا۔

فرزندان توحید اس پاک جذبہ کو دلوں میں لئے اپنی جان عزیز وطن پر نثار کر رہے تھے۔ مگر دشمن قوی تھا۔ اس کی طاقت غالب آتی جا رہی تھی۔

ضعیف سعید آفندی جن کے گھر میں شوکت آفندی کی شادی کی خوشیاں منائی جانے والی تھیں، اور جو ہلال عید کے منتظر تھے، ہلال احمر کی حفاظت میں اپنا تمام مال و متاع قربان کر چکے تھے۔ ان کو دن رات یہی سوچ کھائے جاتا تھا کہ " افسوس ان کی عمر اس لایق نہیں، قویٰ مضمحل ہو چکے۔ کس برتے پر اپنی خدمت ملک و قوم کی نذر کریں۔

ایک دن جب کہ دشمن کی فتوحات کی وحشت ناک خبریں سننے میں آ رہی تھیں۔ سعید آفندی گھر میں سرنگوں فکرمند بیٹھے تھے کہ شوکت داخل ہوا اور بزرگ باپ اور ماں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

" میں اس وقت آپ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ کہ مجھے ملک کی خاطر جنگ میں جانے کی اجازت دیجئے۔ اتنے زمانہ تک والدہ ماجدہ کی مامتا نے مجبور کیا۔ اور صبر سے کام لے کر بے شرمی کی زندگی گذارتا رہا۔ لیکن اب وہ وقت آگیا ہے کہ ترکی کا ایک ایک بچہ میدان میں آ جائے۔ اپنے عزیز وطن کی آن بچانا ہمارا فرض ہے۔ ورنہ خاکم بدہن، ترک قوم کی عزت خاک میں مل جائے گی۔

ہم سب کچھ سہہ سکتے ہیں۔ مگر غلامی کی زندگی برداشت نہیں کر سکتے۔ لعنت ہے ہماری جوانی پر اگر اب ہم گھروں میں بیٹھے! پیارے ملک پر آنچ آتے دیکھیں!" یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی۔ آنسوؤں نے گلا بند کر دیا۔ اور آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ جیسے اندھیری رات میں ہوا کی سائیں سائیں ختم ہو جانے پر بھیانک سناٹا چھا جاتا ہے۔

سعید آفندی جانباز اور سعید بیٹے کی اس تقریر سے حد درجہ متاثر ہوئے۔ شریف ترک کی رگ رگ میں حب الوطنی کا جذبہ ساری تھا۔ لیکن یہ وقت ان کے لئے نہایت سخت اور نازک تھا۔ ایک طرف "وطن کا فرض"، دوسری طرف "نوجوان لاڈلا بیٹا" حیران و پریشان۔ کھڑے بیٹے کا منہ تک رہے تھے اور خاموش کیا کہیں اور کیا کریں، شوکت کی والدہ کا حال ناگفتنی تھا۔ بیٹے کی جدائی کا خیال، اس کے دل کو نوچ رہا تھا۔ حقیقت میں اس وقت کی نازک ترین اہمیت کا اندازہ دشوار ہے۔

سعید نے سوچا۔ اگر شوکت کی آرزو پوری کی جائے۔ تو اکلوتا بیٹا دو ضعیفوں کی زندگی کا سہارا ہے۔ گھر کا چراغ ہے۔ اس کو رخصت کیا جائے۔ تو دنیا تاریک ہو جائے گی اور زندگی موت سے بدتر جدائی کا عذاب برداشت نہ ہو سکے گا۔ اس خیال سے بھی کلیجہ کانپتا ہے۔ پھر معاملہ کے دوسرے رخ پر غور کیا۔ کہ شوکت

نوجوان ہے نوعمر ہے ۔ کسی طرح سے سمجھا بجھا کر اس کو اس ارادہ سے باز رکھا جائے ۔ مگر یہ جرم ہے ۔ سیاہ جرم ۔ قوم اور وطن کا مجھ سے زیادہ مجرم اور دشمن کون ہو سکتا ہے کہ میں خود کچھ کرنے کے قابل نہیں ۔ تو اولاد کو بھی جبراً باز رکھوں ، اس کے ضمیر نے ملامت کی ۔ خودداری مجروح ہوئی ۔ اور بالآخر ایک بڑی کشمکش کے بعد ایثار اور حب الوطنی کا جذبہ تمام خیالات پر غالب آگیا ۔

محبت قومی نے شفقت پدری کو مغلوب کر لیا ۔ اور اس نے دل پر سنگ صبر رکھ کر نہایت اولوالعزمی سے بیٹے کی آرزوئیں قبول کر لیں ۔ بیشمار مال و اسباب اسی وقت غریب اور بے یار و مددگار ہم وطنوں کی نذر کر دیا ۔ جو ویران شدہ علاقوں سے بھاگ کر قسطنطنیہ میں پناہ لے رہے تھے ۔ شوکت کی والدہ اگرچہ عورت تھیں ۔ اور فطرتاً ان کا قلب کمزور لیکن ترک تھیں ۔ نیک و شریف خاتون نے جب یہ عالم دیکھا تو بیٹے کو سینے سے لگا کر وطن پر فدا ہونے کی اجازت دے دی ۔ سعید آفندی نے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے بیٹے کی پیشانی پر بوسہ دیا اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا ۔

"میرے نور دیدہ ! آفریں تیرے عزم و ثبات پر ۔ خدا برکت دے ۔ الحمدللہ کہ آج اس کی بارگاہ میں ہم ملک و ملت کے نام پر عید کا عزیز ترین تحفہ پیش کرنے کے قابل ہوئے ۔ خداوند کا جلال ہو جا اور فتحیاب ہو .... فی امان اللہ .....

شوکت نے استقلال سے سب کچھ سنا مگر جواب نہ دے سکا۔
اس نے بہ مشکل اس قدر کہا۔۔۔۔۔ ! الٰہی ہمت اور مدد۔۔۔۔۔ !
جوش و اضطراب نے قلب پر قبضہ جما لیا تھا۔ خاموشی سے ماں باپ
پر ایک نظر ڈال کر فوراً باہر نکل گیا۔

اس نے تمام نوجوانوں کو دعوت دی کہ اس کے ہمراہ جنگ میں شریک
ہو کر دشمنان ملت کا مقابلہ کریں۔ اس پیام حق پر لبیک کہنے والے تقریباً
چار ہزار نوجوان اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ضروری سامان کی فراہمی
کے بعد سرفروشان وطن کا یہ قافلہ راہ کی صعوبتیں برداشت کرتا براہ راست
ایشیائے کوچک پہنچ گیا۔ جہاں ان کا پرجوش خیر مقدم ہوا۔
یہ وہ زمانہ تھا۔ جب یونانیوں نے سمرنا کے علاوہ اناطولیہ کے اکثر
علاقہ جات پر قبضہ و تصرف کر کے تاخت و تاراج کر دیا تھا اور انگورہ
پر حریصانہ نظریں جمائے ہر دم آگے بڑھنے کی تیاری میں مصروف تھے۔
ادھر ترکی سپاہ مدافعت کے علاوہ اپنے کھوئے ہوئے
علاقوں کے حصول میں کوشاں! شب و روز قیامت خیز معرکہ آرائیاں
ہو رہی تھیں۔ مگر اب یونانی فتوحات کا وہ عالم نہ رہا تھا کہ اپنے بے شمار لشکر
کو لے کر آگے بڑھے۔ مٹھی بھر جانبازوں کو پسپا کر کے غاصبانہ
قبضہ کر لیا۔ اور ظلم و تشدد کا بازار گرم ہو گیا۔
شوکت آفندی ابتدا سے لفٹنٹ ہو بھرتی کیا گیا۔ وہ ادراک کے

ہمراہ جو والنٹیر تھے، ایک کارکردہ افسر کی ماتحتی میں ضروری معلومات کی تکمیل کے بعد بہت جلد میدان کارزار میں جوہر شجاعت دکھلانے لگے اکثر معرکوں میں دشمنوں کو ہزیمت ہوئی۔ شوکت کی بے پناہ تیغ زنی نے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ پیدل فوج، سے سواروں میں تبدیل ہو گیا، کیونکہ سواری اور نیزہ بازی میں پیشتر سے ہی مہارت رکھتا تھا۔ وہ بہادر و شجاع ہونے کے علاوہ بلا کا ذہین و طباع تھا۔ اس کی ذہانت و فطانت نے جنگ کے وہ نقشے مرتب کر اور اس ترتیب سے بے شمار سپاہ کے مقابلے گئے کہ قوم پرست ترکوں کی معدودے چند تلواروں نے جہاں چاہا فتح کا راستہ بنا لیا۔ اکثر معرکوں میں نوجوان شوکت خصوصیت سے کامیاب اور پیش پیش رہا۔ اگرچہ بعض مقامات پر خود اس کو ہزیمت ہوئی۔ مگر بیشتر اہل یونان کی جارحانہ آویزشوں کے تار کو اس نے ٹکڑے کر دیئے۔ ترکی تلوار کا لوہا منوالیا، اور یہ من چلا نوجوان کچھ عرصہ میں کپتان اور پھر میجر کے عہدہ پر ممتاز ہو گیا۔

جنگ "یونان و ترکی" کی داستان جس طرح طویل اور اس کے ابتدائی واقعات ہوش ربا ہیں۔ اسی طرح جانباز شوکت آفندی جن معرکوں میں شریک ہوا۔ ان تمام کی تفصیل طولانی ہے۔ جن کا تفصیلی بیان یہاں غیر ضروری بھی ہے!

شوکت کو میدان کارزار میں شریک ہوئے تقریباً دس ماہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔ اس درمیان میں اس نے اپنی خداداد شجاعت سے وہ کارہائے نمایاں دکھائے کہ اس کا چرچا ہر فرد کی زبان پہ تھا ہر طرف اس کی صفت وثنا کے گیت گائے جارہے تھے۔ والدین کو بھی یہ خبریں پہنچتی تھیں اور وہ خدا کا شکر ادا کرکے اس کی صحت وسلامتی اور فتح کی دعا کرتے۔ شوکت شب وروز جنگی کاروبار میں مصروف تھا جو اس کا محبوب ترین شغل اور زندگی کا اہم مقصد تھا۔

"قارتال تا" کے مغربی جانب چند میل کے فاصلہ پر میدان کارزار گرم ہوا۔ یونانی سپاہ کی کمان "کرنل شرجیل" کے ہاتھ میں تھی۔ اور ترکی عساکر کرنل شوکت آفندی کی ماتحتی میں (جو کچھ عرصہ سے اس عہدہ پہ فائز ہو چکا تھا) تھوڑی دیر میں طرفین کے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ادھر یونانی انتھک کوششیں کر رہے تھے کہ ترکوں پر غالب آجائیں۔ ادھر ترکی جانبازوں کی مدافعت جان توڑ۔ خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں یونانی فوج کے بادل دل امڈے چلے آتے تھے۔ جن کے سامنے ترکوں کا تاب مقاومت لانا سخت دشوار ہو رہا تھا۔ کئی روز تک شدید خونریزی رہی اور جنگ ختم نہ ہوئی۔ چوتھا روز اور دوپہر کا وقت تھا۔ کرنل شوکت نے غور کیا تو فوج کی قوت گھٹتی جارہی تھی۔ کیونکہ یونانی ایک مارا جاتا تو اس کی جگہ چار موجود ہوتے ترکوں کی تعداد پہلے ہی کم تھی۔

جب اس نے یہ عالم دیکھا تو گھبرا کر فوج کو للکارتا آگے بڑھا۔ اور قوم و ملک کا واسطہ دے کر دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کی تاکید کرتا۔ خود تیغ بکف یونانی سرداروں کی طرف بڑھا۔ بڑھتے ہی کئی وار کیے۔ میجر گیسائیل یونانی بڑا جنگی مدبر کام آیا۔ اسی طرح کئی سرداران یونان قتل ہوئے۔ اس سے احرار کے حوصلے بلند ہوئے۔ اور گھوڑے بڑھا کر بیدریغ حملہ کر دیا۔ یونانی سپاہ اس یورش سے گھبرا سی گئی۔ اور اس گھبراہٹ میں کئی کیلومیٹر پیچھے ہٹنا پڑا۔ مگر کرنل شرجیل" جہاندیدہ اور نہایت ہوشیار ماہر فن تھا۔ اس نے چیخ پکار مچا کر اپنی فوج کو سنبھلنے کی ہدایت کی اور خود بڑھ کر "کرنل شوکت" پر حملہ آور ہوا۔ اس منچلے نوجوان نے اس کی زد سے بچ کر اپنے بے پناہ نیزہ کو حرکت دی۔ شرجیل نے گھبرا کر بچنا چاہا اور ساتھ ہی شوکت پر وار کیا۔ ادھر شوکت کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ باوجودیکہ اس نے سنبھلنے کی بہت کوشش کی۔ مگر گھوڑے نے بے قابو کر دیا اور اس کے سر پر بھرپور وار لگا۔ لیکن اس حالت میں بھی اس نے ایک ایسا نیزہ مارا کہ شرجیل کے سینہ کو چھیدتا ہوا پار ہو گیا۔ ادھر شرجیل زمین پر آیا۔ اور ادھر شوکت کے تیور بگڑے۔ اس کے وفادار نوکر نے مالک کی حالت سمجھ لی۔ اور دشمنوں کے درمیان سے راستہ کر کے اس طرح صاف نکل گیا کہ بہت دور ایک پہاڑی کے دامن میں جا کر دم لیا۔ شوکت بے دم ہو رہا تھا۔ گھوڑے کے رکتے ہی نہ سنبھل سکا۔ زمین پر گرا۔

رات بھر اسی حالت میں بے ہوش و اور بے خبر پڑا رہا۔ اور وفادار گھوڑا محافظت پر تعینات۔"

جنگ کا رخ یونانی سرداروں اور کرنل شرجیل کے مارے جانے سے بہت کچھ بدل چکا تھا۔ یونانی سپاہ بدحواس ہو چکی تھی مگر دو کرنل شوکتؔ کے اچانک زخمی ہونے سے ترکی عساکر میں بھی سراسیمگی پیدا ہو گئی۔ اور اس کے جانے کے بعد سے عجیب آفت کا سامنا ہو گیا۔ کیونکہ کسی نے اس کے گھوڑے کو جاتے نہیں دیکھا۔ اس صورت میں قریب تھا کہ ترکوں کے قدم اکھڑ جائیں کہ میجر جمال نے۔ موجودہ حالت کو بغور دیکھ اور سمجھ رہا تھا۔ آگے بڑھ کر کمان اپنے ہاتھ میں لی اور رجز خوانی شروع کی۔ جانبازوں کے ایک حملہ میں یونانی لشکر مغلوب ہو گیا۔ اکثر بھاگ گئے بہت کچھ قیدی اور مال غنیمت لے کر لشکر مظفر و منصور واپس ہوا۔

صبح کا وقت تھا۔ کرنل شوکت آفندی اپنے رفیق گھوڑے کے ساتھ پہاڑی کے نیچے بیٹھا ہوا۔ اپنے لشکر کے انجام پر غور کر رہا تھا۔ مضطرب تھا تو صرف اس لئے کہ نہ معلوم برادران ملت کا کیا حشر ہوا۔ اور پھر اپنی عدم شرکت پر متاسف! زخم صرف سر میں تھا۔ گھراتا مگر چنداں تکلیف دہ نہ تھا۔ ہاں خون بہہ جانے کے باعث نقاہت کافی ہو گئی تھی۔

پیاس کا غلبہ تھا۔ زخم دھونا بھی ضروری تھا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کہیں پانی کی تلاش میں جانے کے قابل نہ تھا۔ تشویش و تفکر کے عالم میں حالات جنگ پہ نظر تھی کہ سامنے سے دو سوار آتے دکھائی دیے۔ جب وہ قریب آسے تو معلوم ہوا کہ دونوں یونانی نوجوان ہیں۔

اس نے خیال کیا کہ یہ دونوں میرے قومی دشمن ہیں۔ نہ معلوم کہاں سے آتے ہیں۔ کہاں کا قصد ہے۔ مجھے یہاں اس حالت میں دیکھ کر یقیناً میرے جان کے درپے ہوئے ہیں۔ جو قریب آرہے ہیں۔ لیکن اس خیال سے اس کے دل میں کوئی ہراس پیدا نہ ہوا۔ بلکہ فوراً ہی کسی قدر مسرور ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ ایک ترک سپاہی اور ذمہ دار افسر کا میدان جنگ سے اس طرح نکل جانا (اگرچہ بالارادہ نہ سہی) ایک ذلت ہے۔ جس کی تلافی کسی طرح ممکن نہیں۔ اس ذلیل زندگی سے موت بدرجہا بہتر ہے۔ اگر انھوں نے ارادہ غیر کیا تو یقیناً میں مقابلہ کروں گا۔ . . . . . مروں گا یا دونوں کا خاتمہ کروں گا۔

یہ سوچ کر وہ ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ نقاہت نے بہت دبایا مگر جوش نے ابھارے رکھا۔

اب وہ دونوں جوان شوکت کو دیکھ کر ٹھہر گئے۔ اور آپس میں باتیں کرتے ہوئے گھوڑوں سے اتر پڑے۔ ان کے اس حرکت سے شوکت کے خیال کی تائید ہونے لگی۔ ہر قدم پر یہ گمان ہوتا تھا کہ اب وار کرتے ہیں۔ لیکن وہ خاموشی سے گھوڑے درخت سے

باندھ کر اس کے قریب آکر کھڑے ہوئے۔ تلواریں دونوں کی کمر میں تھیں مگر تلوار نکالنا تو درکنار کسی نے قبضہ پر بھی ہاتھ نہ رکھا۔

وہ دونوں نہایت حسین و جمیل تھے اور اعضاء کی نزاکت و تناسب سے گمان ہوتا تھا کہ مرد نہیں عورتیں ہیں۔ شوکت نے ان کے رکتے ہی ڈانٹ کر پوچھا "تم کون ہو۔ اور یہاں آنے کا کیا سبب ہے۔

جس کے جواب میں ایک جوان نے مسکرا کر ترکی لہجہ میں سلام کیا اور کہا کہ ہمارا کوئی مقصد نہیں۔ راہ گیر ہیں آپ کو دیکھ کر یہاں آ گئے۔!" شوکت اس سے متحیر ہوا۔ کہ یہ شخص ترکی لہجے سے کیونکر واقف ہے۔ بظاہر یونانی ملبوس میں نظر آتا ہے، اس سے شبہات زیادہ قوی ہوئے۔ اور فوراً پھر دریافت کیا کہ "تم ہو کون۔ کیوں اور کہاں سے آئے۔ مفصل حالات سے مطلع کرو۔

اس کے جواب میں اس نوجوان نے بیان کیا کہ "ایک آفت زدہ ترک ہوں اور مدت مدید سے آوارہ و پریشان پھر رہا ہوں۔ کوئی خاص مقام نہیں جہاں سے آرہا ہوں اور نہ کوئی منزل مقصود۔! ہاں کوئی ہے تو یہی مقام جہاں قسمت نے اس وقت پہنچا دیا۔ لباس ضرور مشتبہ ہے مگر بہ مجبوری۔ آپ اس سے واقف ہیں کہ جابجا دشمن تاک میں ہیں۔

کرنل شوکت اس تقریر سے سخت متعجب ہوا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ یہ کون ہے اور اس سے کس قسم کی گفتگو کرنی چاہیئے۔ کہیں یونانی جاسوس تو نہیں۔ اس لئے اس نے ادھر ادھر کی گفتگو شروع کر کے سراغ رسانی شروع کی۔ لیکن ہر طریقہ سے یہی ثابت ہوا کہ یہ ترکی نسل ہے اور مشکوک بھی نہیں، ہاں اس کا ہمراہی یونانی تھا۔ مگر اس کا بدخواہ نہیں۔ اس قسم کی مختصر گفت و شنید کے بعد جب طرفین کا اطمینان ہو گیا تو نو وارد ترک نے شوکت کے زخم کو دھو کر پٹی وغیرہ باندھی۔ اسی درمیان یہ طے ہو گیا۔ کہ آج سے وہ دونوں بھی شوکت کی معیت میں رہیں گے۔ وہ جہاں بھی جائے۔ ان تینوں میں موجودہ جنگ کے متعلق سلسلۂ کلام جاری تھا کہ ترکی سواروں کا ایک مختصر دستہ اپنے سردار کی تلاش میں سرگرداں آ پہنچا۔ جن کو دیکھتے ہی شوکت نے آبدیدہ ہو کر گذشتہ جنگ کی کیفیت دریافت کی۔ جس کے جواب میں فتح کی مبارک خبر سن کر فرط مسرت سے اچھل پڑا۔ اور خدا کا شکر بجا لا کر فوراً اپنے نو وارد احباب کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔

ایک شاداب مقام پر ترکی کیمپ کے درمیان خیمہ میں کرنل شوکت آفندی" بیٹھا ہے۔ اور پاس ہی ایک حسین نوجوان ترکی خاتون ہے۔ دونوں گفتگو میں مشغول ہیں۔ ایک جانباز ترکی سردار کے پاس

اس کشمکش عظیم کے دوران میں نازک اور اہم ترین وقت میں عورت اور نوجوان عورت کی موجودگی یقیناً حیرت ناک اور مشوش کن ہے کوئی سلسلہ بھی ہو لیکن جنس نازک کی موجودگی ایسے موقعہ پر خطرناک ہے مگر حالات کا انکشاف ہوگیا ہے۔

یہ خاتون وہ ہے جو ایک یونانی سپاہی کے لباس میں شوکت سے پہاڑی کے دامن میں ملی تھی۔ اور جس سے گفتگو بھی ہوئی تھی۔ درحقیقت یہ ترک عورت ہے اور یہ وہ ہے جو شوکت کے وطن سے روانگی سے اس وقت تک سایہ کی طرح اس کے ہمراہ ہے صرف ایک شب کے لئے بہ مجبوری جدا ہوئی تھی۔ یہ عورت شوکت کی منگیتر "ریحانہ" تھی۔ جس کا شوکت کو حب الوطنی کے جوش میں خیال بھی نہ تھا۔ جس کو اس نے روانگی کے وقت پوچھا تک بھی نہیں۔ ہاں کبھی کبھی فرصت کے وقت ایک لمحہ کے لئے اس کا خیال ضرور آجاتا تھا اور صرف یہ کہ اس کی مہم پر روانگی سے نہ معلوم اس نیک خاتون کا کیا حال ہوگا"۔ اس سے وہ ضرور مضطرب ہو جاتا تھا۔ لیکن تمام مدت میں ان لمحات کا شمار معدودے چند ہوگا۔

مگر وہ پاک باطن وفا پرست، خاتون اس کو ایک لمحہ کے لئے نہ بھولی اور ہر دم اس کے ساتھ رہی۔ اس نے ساری سرگذشت سنائی مگر ایک حرف شکایت زبان پر نہ لائی۔ شوکت کی اس دلیری اور جانبازی سے وہ بیحد مسرور تھی۔ اور بیشتر سے زیادہ اس کی

محبت کی، وقعت اس کے دل میں بڑھ گئی۔

ریحانہ نے اپنے حالات جو بیان کئے وہ یہ تھے:۔

شوکت آفندی اپنے والدین سے رخصت ہو کر جب جنگ کی تیاری میں مصروف ہوا تو اس کی اطلاع فوراً ریحانہ کو بھی ہو گئی۔ اس نے فوراً ہمراہی کا عزم بالجزم کر لیا اور مردانہ لباس میں اس کے ہمراہ جانے والے ترکی نوجوان والنٹیروں میں شامل ہو گئی۔ اس طرح ابتدا سے اس معرکہ تک جس میں شوکت زخمی ہوا۔ ہر معرکہ میں اس کے ہمراہ رہی۔ اور دلیر سپاہی کی طرح داد شجاعت اور مرد کی طرح سواری سیکھی۔ اور کامیابی سے تیغ زنی کرتی رہی۔ کسی متنفس کو گمان بھی نہ ہوا کہ یہ عورت ہے۔ خود شوکت نے بھی شناخت نہ کیا۔ جب تک تنہائی میں اس نے اپنی مفصل کیفیت نہ بیان کی، جب شوکت زخمی ہوا ہے اور گھوڑا اس کو لے کر بھاگا تو ریحانہ۔ اس حالت کو دیکھ کر اس کی معیت اختیار کی۔ مگر شوکت کا گھوڑا اس کے پہلے نکل چکا تھا۔ اس کے علاوہ خطرے سے آگاہ ہو کر نکلا تھا۔ ریحانہ کا گھوڑا اس کی گرد کو بھی نہ پہنچا۔ اور وہ ناکام رہ گئی، لیکن برابر کوشش کرتی رہی اور کہیں نہ ٹھہری۔ راہ سے بے راہ ہوئی اور کہیں سے کہیں نکل گئی۔ راستہ میں یونانی سواروں کا ایک دستہ کہیں سے آتا ہوا ملا۔ اور ترک جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا۔ اس کی رہائی کی تمام کوششیں رائگاں گئیں۔ وہ قریب ہی اپنے کیمپ میں لے گئے

اور اپنے افسر اعلیٰ زاسطیس " کے سامنے پیش کر دیا۔ جہاں اس سے
نہایت جبر و سختی سے پوچھا گیا کہ وہ کون ہے وغیرہ وغیرہ۔
لیکن ریحانہ بالکل خاموش رہی۔ آخر یہ طے پایا کہ رات بھر کی مہلت
دی جائے۔ اگر صبح یہ صحیح صحیح جوابات نہ بیان کرے۔ تو گولی سے
مار دیا جائے۔ اس نے نہایت صبر و شکر سے سنا اور خاموشی کے ساتھ
اپنی موت کا انتظار کرنے لگی۔ رات کے وقت قید خانہ میں ایک
نوجوان عورت آئی۔ اس نے نہایت آہستہ آہستہ گفتگو کی اور یونانی
لباس جو اپنے ساتھ لائی تھی پہننے کو کہا۔ ریحانہ نے پہن لیا۔
اور یونانی حسینہ کی (جس نے اپنے آپ کو کرنل زاسطیس کی بیٹی ڈائنا
نامی ظاہر کیا تھا) ہدایت کے مطابق نہایت خاموشی کے ساتھ نکل
گئے۔ جہاں دو گھوڑے معہ ساز کے تیار تھے۔ دونوں سوار
ہوکر ایک طرف روانہ ہوگئیں۔ جو اس وقت یونانی سوار معلوم ہوتی
تھیں۔ کوسوں دور نکل جانے کے بعد ڈائنا نے گھوڑے کی
باگیں ڈھیلی کیں۔ اور ریحانہ سے گفتگو شروع کی۔ جس نے ریحانہ کو
عجیب کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ یعنی ڈائنا (جو ریحانہ کے لباس ظاہر کو دیکھ کر
اس کو مرد سمجھے ہوئے تھی) اس کو دیکھتے ہی فریفتہ ہوگئی تھی۔ اس وقت
سے اس نے جو تہیہ کیا تھا۔ محافظ کے غافل ہوتے ہی اس پر عمل کیا
اور اس امید میں کہ اس صلہ میں ارمان بر آری ہوگی، اور اب اس نے
اظہار تعشق کے بعد نہایت عاجزی سے کہہ دیا کہ وہ میں اپنی جان آپ کی خدمت

کے لئے وقف کر چکی ہوں۔ آپ کی ہوں اور ہمیشہ آپ کی رہوں گی۔"
ریحانہ اس سے گھبرائی کہ راز کا پوشیدہ رہنا دشوار ہے۔ لیکن اس نے اپنی ذہانت سے خطرہ کا اندازہ کر لیا۔ اور جواب میں کہہ دیا، فی الحال جنگ کے دوران میں کوئی اطمینان نہیں۔ اس صورت میں کیا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔
تم مطمئن رہو۔ تمہاری مرضی کے خلاف کوئی عمل نہ ہوگا۔ میں تمہارے اس احسان کا بدل ممنون ہوں۔ تم نے میری جان بچائی ہے۔ اسی طرح اس کی تسلی کر کے ٹال دیا۔ اسی قسم کی گفتگو کرتے ہوئے ریحانہ اور ڈائنا آگے بڑھ رہے تھے اور ریحانہ اس فکر میں تھی کہ کہیں راستہ میں کسی ترکی لشکر کا پتہ چل جائے۔ تو وہاں جاکر اپنے "شوکت" کی تلاش کرے۔ کہ راستہ میں خود شوکت کو پالیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے دیکھتے ہی بلاکم و کاست اپنا سب حال ظاہر کر دیا تھا، اس کے بعد کیمپ میں پہنچ کر اس نے مناسب سمجھا کہ اب اپنی ساری سرگذشت بیان کر کے شوکت پر اپنی اصلیت بھی ظاہر کر دے۔ اور آخر اس طرح انکشاف راز ہو گیا۔

ڈائنا اس وقت دوسرے خیمہ میں آرام کر رہی تھی۔
اور یہ دونوں علیحدہ صلاح و مشورت میں مصروف تھے۔ کہ ڈائنا کو کیوں کر سمجھایا جائے۔ اور کیا کیا جائے، کچھ دیر کی گفت و شنید کے بعد شوکت نے یہ طے کیا کہ اس وقت موقعہ سے فائدہ اٹھائیں یعنی ڈائنا کو جاسوس بنا کر اس کے ذریعہ سے یونانیوں کے راز دل

انکشاف ہو اور خفیہ رازوں کا انکشاف چلایا جائے۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ یقیناً وہ ہماری ہدایات پر عمل کرے گی۔" یہ طے کرکے ڈائنا کو بلایا۔ ریحانہ نے پھر اپنا مردانہ ترکی لباس زیب تن کر لیا۔ ادھر ادھر کی گفتگو کے بعد ڈائنا سے اصل مسلہ پر سلسلۂ کلام شروع ہوا۔ پہلے کافی طور پر بات چیت کے دوران میں شوکت نے یہ اطمینان کر لیا کہ یہ عورت ہر طرح پر ہمدردی پر تیار ہے۔ کہیں دشمن کی خفیہ سازش تو نہیں کہ اپنے جاسوس کو اس طرح ہمارے پیچھے لگایا ہو، لیکن کافی اطمینان ہو گیا کہ واقعی ڈائنا "ریحانہ" (بلباس ترکی سپاہی) کی شیدائی ہے۔ اور ہر صورت سے اس کی بہی خواہ۔ مگر اصل مسلہ پر گفتگو چھڑتے ہی اس نے محض اس لئے اس خدمت کی انجام دہی سے انکار کر دیا۔ کہ "آپ کے پاس سے کہیں بھی جانا مجھے گوارا نہیں۔ ایک لمحہ کی جدائی بھی شاق ہے۔ اس کے علاوہ ہر حکم کی تعمیل میں حاضر ہوں۔

مگر جب ریحانہ اور شوکت آفندی نے سمجھایا کہ یہ "جدائی عارضی ہے" اور تمہاری کامیابی کا پیش خیمہ، کیونکہ جس قدر جلد ہماری فتح ہوگی اور ہمیں اطمینان نصیب ہوگا تمہاری امید بر آری اسی قدر جلد ہوگی۔ بہت دیر کی ردو قدح کے بعد "ڈائنا" راضی ہو گئی اور یہ طے ہوا کہ اپنی اس غیر حاضری کا کوئی بہانہ کرکے پھر اپنے والد کے کیمپ میں شامل ہو جائے۔ اور وہاں سے خفیہ حالات سے مطلع ہو کر یہاں آئے اور

اطلاع کرتی رہے۔" ڈائنا روانہ ہوئی اور کرنل شوکت فوج کے معائنہ اور نقشۂ جنگ کی غور و فکر میں مشغول ہوا۔

کئی روز کے بعد ڈائنا نے آکر اطلاع کی کہ کل میں نے کئی سردار (؟) کو اپنے والد سے گفتگو کرتے سنا ہے جو نہایت خفیہ طور پر مشورہ کر رہے تھے وہ یہ ہے کہ کونیہ میں قلعہ مہاکا کے مغربی جانب تقریباً دس میل ایک قصبہ ہے۔ وہاں معلوم ہوا ہے کہ آج کل نہایت قلیل تعداد میں ترکی سپاہ خیمہ زن ہے اور جنگ کی شورش کے سبب وہاں سے آبادی ہٹائی جا رہی ہے۔ مناسب ہے کہ شب میں وہاں چھاپا مارا جائے۔ نہایت آسانی سے قبضہ ہو جائے گا اور بہت کچھ مال و اسباب ہاتھ آئے گا۔ ورنہ عنقریب ترکی افواج کے دل بادل قلعہ مہاکہ (کچھ عرصہ سے اہل یونان کے قبضہ میں تھا) کی تسخیر کے لئے آ پہنچیں گے۔ اس تسخیر سے قلعہ کا استحکام بھی ہو جائے گا۔ اور ترک اس نقصان سے کچھ پست ہمت بھی ہو جائیں گے اور یہ طے ہوا ہے کہ قلعہ میں جو سپاہ ہے وہی کل اس مہم کو انجام دے۔ صرف معمولی جمعیت اس کی حفاظت کے لئے باقی رہے اور صرف ایک بیڑی۔ باقی تمام قوت توپ خانہ کی ہٹا کر وہاں سے جائی جائے۔ اس وقت قلعہ پر ترکی حملہ کا کوئی اندیشہ نہیں۔ یہ سنتے ہی گھبرا کر میں یہاں آئی جو حال معلوم ہوا بیان کر دیا۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اطلاع آپ کے

لئے کس حد تک مفید ہے یا کیا !"

اس خبر کے سنتے ہی کرنل شوکت کے دل میں امید و مسرت کی لہر دوڑ گئی ۔ اس نے ڈائنا کا شکریہ ادا کیا اور ریحانہ کے پاس چھوڑ دیا ۔ چند رفیقوں سے مشورہ کرنے گیا اور یہ قرار پایا کہ آج ہی رات میں کوچ کر دینا چاہیئے ۔ کل فوج کے دو حصے کئے جائیں ۔ ایک مختصر دستہ قصبہ مذکور کی امداد کے لئے بھیج دیا جائے ۔ تاکہ وقت سے پہلے دوسرے راستہ سے خفیہ طور سے وہاں پہنچ جائے ۔ اور ادھر قلعہ کی تسخیر کے لئے اس صورت سے روانہ ہوں کہ دشمن کو شبہ بھی نہ گزر سکے اور اس وقت حملہ کر سکیں جب یونانی لشکر قلعہ سے بیخبر قصبہ تک پہنچے ۔ اس سے بہتر موقع ملنا دشوار رہے ۔ آخر ہمیں عنقریب قلعہ کی واپسی کے لئے ضرور جد وجہد کرنا ہے ۔

چنانچہ انتظامات شروع ہو گئے اور بہت جلد ضروری سامان کی فراہمی کے بعد قرار داد کے مطابق روانگی ہو گئی ۔ ڈائنا مزید سراغ رسانی کے لئے آئندہ ملاقات کا مقام معلوم کر کے اپنے کیمپ روانہ ہو گئی اور ریحانہ (مردانہ لباس میں) محاذ کی معرکہ آرائی کے لئے شوکت کی معیت میں تھی ۔

رمضان کا متبرک مہینہ کا آغاز ہے ۔ اور ترکی مجاہدین مصروف جنگ ہیں ، ہر چہار سمت معرکہ آرائیاں ہو رہی ہیں ۔

اس وقت شام ہو چکی ہے اور وہی وقت آ رہا ہے جب ڈائنا کی اطلاع کے موافق یونانی لشکر شب خون کے ارادہ سے پہنچا ہوگا۔

کرنل شوکت آفندی کی ماتحتی میں جو لشکر مہاکہ کی تسخیر کے لئے کل دن میں روانہ ہوا تھا۔ مقام مقصود تک پہنچ چکا ہے۔ حملہ کی تیاری ہو رہی ہے۔ قلعہ ہر سمت سے بند ہے۔ اور بظاہر اس کی حالت ڈائنا کی اطلاع کی تائید کرتی ہے۔ خاموشی کا عالم ہے اور مورچہ بندی کا کوئی خاص اہتمام بھی نہیں۔ ترکی لشکر قلعہ سے کئی فرلانگ کے فاصلہ پہ جما ہوا حملہ کی تجاویز سوچ رہا تھا۔ کہ ایک سمت سے کچھ آوازیں اور دیکھتے دیکھتے قریب کی پہاڑیوں میں سے یونانی افواج کے دل بادل طوفان کی طرح امنڈ آئے۔ اور ترکی فوج چاروں طرف سے محصور ہو گئی۔ شوکت اس غیر متوقع نقشہ کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی کہ اب کیا صورت اختیار کی جائے۔ اسی درمیان میں قلعہ سے گولہ باری شروع ہو گئی۔

اس قدر مسافت طے ہوئے تازہ آفت کا شکار ترک جرار بدحواس ہو گئے۔ ادھر یونانی سپاہ کی آتش باری اور ہر سمت سے دشمنوں کے نرغہ میں پھنسا ہوا شوکت غم و غصہ میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا ڈائنا نے دھوکہ دیا اور لالچ میں پڑ کر خود اپنے جانبازوں کے گلے میں نے کٹوا دئے۔ اب کوئی علاج نہیں۔ پشیمانی سے کیا حاصل۔ یہ نتیجہ ہے اس حماقت کا جو میں نے ایک اجنبی یونانی عورت

پر اعتبار کر کے اس کے ذریعہ سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا۔ لشکر کو تسلی دی، جرّار (حق بہ تقدیر) دشمن کے مقابلہ میں حتی المقدور جان توڑ کر کوششیں کرنے لگے، اور سمجھ لیا کہ اگر اس طریقہ سے ہی قتل ہونا قسمت تھا تو مفر محال ہے!"

مگر جاں فروش ترکوں کے دل ٹوٹے ہوئے تھے اور حوصلے چھوٹے ہوئے۔ کیونکہ مقابلہ ناقابلِ برداشت تھا۔ پھر بھی دلیری اور ثابت قدمی سے لڑتے رہے اور دشمنوں کو جواب ترکی بہ ترکی دیا۔ سب سے زیادہ ترکی سپاہ کے لئے قلعہ کی آتش باری تھی۔ جو بلند مقام سے برابر جاری تھی۔ اس سے بچنے کا کوئی راستہ ہی نہ تھا۔

یونانی بھی بیشمار قتل ہو رہے تھے۔ مگر ترکوں کا نقصان ناقابلِ تلافی تھا اور حسرت ناک! کرنل شوکت اور اس کے ہمراہ اس کی ریحانہ دیوانہ وار چاروں طرف ہاتھ بڑھا رہے تھے۔ اور دشمنوں کے کشتوں کے پشتے لگا رہے تھے۔ ریحانہ کی بے پناہ تیغ زنی دیکھ کر شوکت اور سارا لشکر عش عش کر رہا تھا اور کوئی واقف نہ تھا کہ یہ کون ہے۔ اسی دوران میں عین حالت جنگ میں ایک یونانی سردار کی زہر آلود تلوار نے جانفروش شوکت کا سر مبارک تن سے جدا کر دیا!"

ریحانہ کی نظر میں دنیا ختم ہوگئی۔ ترکی ملک نہیں سارا جہان زنانیوں کے قبضہ میں نظر آنے لگا۔ اس کے عزت و جان کے مالک کا خاتمہ

ہوگیا! گویا عالم کا خاتمہ ہوگیا!! جس کے دم سے اس کی دنیا تھی وہی نہ رہا تو اب اس کے نزدیک کسی کی کیا حقیقت ہوتی۔ ریحانہ نے نہایت دلیری سے سینہ سپر ہوکر گرتا ہوا سردار دوڑ کر ایک ہاتھ سے سنبھالا۔ زمین تک نہ جانے دیا۔ اور بجلی کی طرح لپک کر ایک وار میں اپنے سرتاج کے قاتل کا کام تمام کیا۔ اور بے تحاشا دشمنوں کی صف میں سے راستہ بناکر جان سے عزیز "سر" کو حفاظت میں لئے نکل گئی۔ یونانیوں میں سے کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ اس کی طرف رخ کرتا۔ اور مزاحمت کرسکتا، اس حادثۂ جانکاہ سے تمام ترکی لشکر کا عجب عالم تھا۔ دل بالکل ٹوٹ گئے۔ چھکے چھوٹ گئے۔ گویا مقدر پھوٹ گئے۔ ایک ایک ہوکر سارے کھیت رہے۔

دشمن فتح کی خوشی میں وحشیانہ نعرے لگاتے قلعہ میں داخل ہوگئے۔

یہ انجام تھا کرنل زاسطیس کی خفیہ سازش اور عیاری کا ڈائنا حقیقت میں ترکی سپاہی (ریحانہ) کی قطعی شیدائی نہ تھی۔ نہ کرنل مذکور کی بیٹی۔ وہ ایک عیارہ جاسوس تھی اور اسی قسم کے کام انجام دیا کرتی تھی۔ اب یونانی افسروں کی صلاح سے ریحانہ کو ترکی جاسوس سمجھ کر اس کو دھوکہ دے کر سراغ رسانی کے لئے ہمراہ کی گئی۔ اور جو جو صورتیں اس کو بتائی گئی تھیں۔ عمل میں لائی۔ پہلے یونانی سرداروں کو یہ اطلاع نہ تھی کہ یہ ترک سپاہی (ریحانہ) کہاں جائے گا اور کہاں سے

ہے۔ ان کی غرض عام طور سے اس کی جاسوسی تھی۔ اس لئے ڈائنا کے ذریعہ اس کو قید کرا کے خفیہ طریقہ سے اس کو ہمراہ کیا گیا، جب ڈائنا کرنل شوکت کے پاس سے روانہ ہو کر پہلی بار کرنل زاسطیس کے پاس پہنچی۔ اور اس نے مفصل کیفیت مع نام و نشان کے ظاہر کی اس وقت کرنل نے جو شوکت کی شجاعت و جراری سے واقف اور اس کا جانی دشمن تھا یہ تدبیر سوچی یہ صرف کرنل شوکت اور اس کے عساکر جرار کے قتل و غارت کے لئے سازش کی گئی تھی۔ شوکت کی قسمت نے پلٹا کھایا اور دغا کا شکار کر کے اصلی واقعات پر پردہ ڈال دیا۔ اس طرح وہ دام فریب میں اسیر ہو کر خود بھی شہید ہوا اور اس کا عزیز لشکر بھی تباہ و برباد

لیکن جلدی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وطن پرست ترکوں نے مطلع ہوتے ہی آتشِ انتقام میں بیتاب ہو کر شدید حملہ کیا اور کئی روز کے خونریزی کے بعد قلعہ مہاکہ پر قبضہ کر لیا۔ یونانیوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ مگر شوکت کی جان کی کوئی تلافی نہ ہو سکی۔

عید کا دن ہے۔ نوجوان شوکت آفندی " کی وطن سے روانگی کو کامل ایک سال گذر چکا ہے۔ اس کے ضعیف باپ اور ماں اور جانباز شیر دل فرزند کے کارناموں پر سرور گفتگو ہیں۔ کہ شوہر پرست جانباز ریحانہ مسلسل کئی ہفتے کی مسافت طے کر کے آلام و مصائب کا مقابلہ

مقابلہ کرتی اپنے سر تاج کا سر لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے۔ دیوانہ اور بدحواس شوکت کی ماں کی گود میں ان کی امانت، ڈال دیتی ہے۔ اور خود ان کے قدموں میں گر کر بیہوش ہو جاتی ہے۔

شوکت کے والدین کی حیرانی اور سراسیگی کی کوئی انتہا نہیں۔ ایک لفظ زبان سے نہیں نکل سکتا۔ نہ آنکھ سے آنسو۔! شدت غم سے جگر شق ہو جاتا ہے۔ اور آنسو خشک! وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ ایک پریشان خواب ہے جو واقعات کی یاد نے دکھایا ہے۔

کچھ دیر میں "سعید آفندی" نے حواس درست کیے اور حالات کو سمجھا۔ انھوں نے ریحانہ کو اٹھایا کہ ہوش میں لا کر واقعات کی تحقیق کریں۔ وہ یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ ریحانہ، نے یہ کہاں اور کیوں کر پایا۔ مگر اس میں اب کیا تھا۔ وفا پرست ریحانہ "شوکت" کی امانت تھی اور اس نے منزلِ مقصود تک پہنچتے ہی اپنے آپ کو اس کی خدمت میں پہنچا دیا۔ انتہائی غم و رنج نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اب وہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہو گئی۔ اور یہی اس کی آرزو تھی۔

شوکت کی ماں نے بیٹے کے غم میں آہ و زاری شروع کی۔

"سعید آفندی نے بیوی کو خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ اور اپنی ٹوٹی ہوئی کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوئے اس بے بہا تحفہ (سر) کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر بوسہ دیا اور آسمان کی طرف نگاہیں اٹھا کر بولے "ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے، خوشی کے دن رونا کیسا، خدا

کی راہ میں قوم و وطن کی خدمت میں۔ جو "عید کا تحفہ" گذشتہ سال پیش کیا، الحمدللہ کہ قبول ہوا۔ اس کے معاوضہ میں آج یہ بے بہا نعمت مرحمت ہوئی ہے، عید کے دن نورِ نظر کی دید......

یہ عید کا دن ہے؟ اور یہ ہماری عید ہے، خوش نصیب ہے وہ انسان جو اپنے قوم و ملک کی راہ میں قربانی کر سکے۔ دعا کرو کہ خدا اس مبارک دن کے طفیل میں ہمارے مظلوم وطن کو آزاد کرے۔ سمجھ لو کہ یہ ہمارے وطن کی نصرت کا آغاز ہے

....

مبارک

اے محبانِ وطن! فرزندانِ توحید!!

عید مبارک!

یہ لکھ کر اس نے بیٹے اور بہو کو آخری بوسہ دیا۔

(ایک ریڈیو فیچر)

"منجدھار"

منجدھار

فیڈ ان :-
(ہلکی موسیقی کی لہروں میں قہقہوں کی مدھم آواز)

فیڈ

راوی ۔ "کمار اور روپا بچپن کے ساتھی گنگا کنارے سرلا گاؤں میں سکھ چین کی بنسی بجاتے ہنستے کھیلتے اسی طرح بچپن کے دن گذر گئے اور یہ دونوں پروان چڑھے جوان ہوئے ۔

وقت گزرا ، راتیں بدلیں ، بہاریں آئیں ، گزر گئیں روپا سیانی ہوئی ۔ گھر کی پابند بنائی گئی ۔ کمار کے پتا "سرلا گھاٹ" کے ٹھیکیدار تھے ۔ کمار ان کا اکیلا بیٹا ۔ تندرست اور خوبصورت نوجوان ناؤ چلاتا ۔ خوب کماتا ۔ کمار مانجھی کا نام سارے میں مشہور ہوگیا ۔ اور یہ خاندان مال دار سمجھا جانے لگا ۔
روپا کے پتا اور کمار کے پتا کا آپس میں بہت میل جول تھا ۔
جب روپا کی ماتا نے روپا کے پتا کو بتایا کہ روپا اور کمار بچپن کے ساتھی

ہیں۔ اور اب دونوں جوان بیاہ کے قابل ہیں تو اس نے فیصلہ کیا کہ کمار کو مانگے اور دونوں کا جوڑا برقرار رہے۔ کمار کے پتا اس مانگ پر خوش تھے۔ بیاہ کی بات چیت ہوئی۔ مہورت اور شبھ لگن کے لئے پروہت جی کی صلاح لی گئی۔ انھوں نے بتایا کہ رشتہ تو بہت اچھا ہے۔ مگر کمار کے لئے بیس برس تک بہت کھٹکا ہے۔ بیس برس پورے گزر جائیں تو بیاہ کیا جائے۔ اس میں ایک برس انتظار کرنا تھا۔ اس لئے یہ بات ٹل گئی اور وقت گزر گیا۔

انھیں دنوں گاؤں میں ایسی بیماری پھیلی جیسے کہ گنگا مائی ابل پڑی ہوں اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک بہا کر لے جائیں۔ اس منجدھار میں روپا کا گھر بھی تھا۔ اور طوفانی بیماری کے جھکولوں نے روپا کی ماں باپ اور ادھر کمار کے پتا کو ختم کر کے چھوڑا۔ دونوں گھروں میں جو تیاری بیاہ کے لئے ہوئی تھی۔ وہ مرنے کے کام آئی۔

اب کمار اکیلا تھا اور روپا کی ایک اندھی بڑھیا نانی ——— جس کا وہی سہارا تھی۔ ماتا۔ پتا کے سوگ میں روپا کے آنسو خشک ہو گئے۔ جو کچھ بچا کھچا بیاہ کا سامان تھا وہ گزارے کے کام آنے لگا اور تھوڑے دنوں میں وہ بھی ختم ہو گیا۔

روپا کی نانی نے سوچا۔ اگر اب روپا کا بیاہ ہو جائے تو اس کا کچھ دکھ بھی بٹے اور گھر بھی بس جائے۔

اس نے ایک دن پروہت جی کو بلایا اور بیاہ کی باتیں کیں۔ ان کی رائے میں اب کھٹکا دور ہو چکا تھا۔ کمار اب بیس برس پورے کر کے اکیس میں قدم رکھ رہا تھا۔ پروہت جی باتیں ختم کر کے چلے گئے تو روپا بپھری ہوئی شیرنی کی طرح گرج کر نانی کے پاس آئی اور ان سے کہا۔

فیڈ اِن مکالمہ

روپا۔ نانی اس بات کو اب اگر چھیڑا تو اچھا نہ ہوگا۔

نانی۔ روپا یہ تو کیا کہتی ہے۔ اپنے بیاہ سے آپ انکار کرتی ہے کوئی سنے تو کیا کہے۔

روپا۔ جو کچھ بھی کہے۔ میں نے کہہ دیا کہ میں ایسی بات سننا بھی نہیں چاہتی ——
سمے بیت چکا۔

نانی۔ شرم کی بات ہے روپا۔

روپا۔ نانی میں اپنی شرم اور بے شرمی کو سمجھنے لگ گئی ہوں۔ اگر تم ضد کرو گی تو میں
ماتا پتا کے پاس سدھار دوں گی۔

فیڈ آوٹ :—— (مکالمہ)

راوی۔ اس سے آگے نانی کی ہمت نہ ہوئی۔ اس نے کئی دن بعد کمار کو بلا کر ان باتوں کی خبر کی اور اس نے ایک دن روپا کو سمجھایا۔ کمار کو یقین تھا۔ اس کی بات کو روپا ٹال نہیں سکتی۔ روپا نے کمار کی باتیں سن کر جواب دیا۔

(فیڈ اِن : (مکالمہ)

روپا۔ کمار! مجھے اس سے کب انکار ہے کہ ہم بچپن کے ساتھی نہیں۔
پرنتو.........

کمار۔ پرنتو۔ کیا روپا اب تمھیں مجھ سے پریم نہیں۔

روپا۔ کمار، مجھے اس سنسار میں سوائے تمھارے کسی سے پریم نہیں۔
اپنے آپ سے بھی نہیں۔

کمار۔ پھر بیاہ سے کیوں انکار ہے روپا! کیا ہم دونوں نے جیون ساتھی رہنے
کے بچن نہیں کئے تھے۔ یاد ہے تمھیں؟

روپا۔ سب یاد ہے کمار۔

کمار۔ پھر۔

روپا۔ کیا ہم بیاہ کے بنا جیون ساتھی نہیں۔ کیا ہم الگ الگ رہ کر بیاہ نہیں
نباہ سکتے۔ آخر اب تک جو اسی طرح ہیں۔

کمار۔ پر عمر تو اس طرح نہیں گذریگی روپا۔

روپا۔ عمر کا کیا بھروسہ کمار۔ ہر طرح گذر جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ میری بوڑھی
نانی کا سوائے میرے کوئی سہارا نہیں۔ میں ان کو اکیلا چھوڑ کر...
....

کمار۔ وہ اکیلی کیوں رہیں گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ اب سے
زیادہ..........

روپا۔ میں سمجھتی ہوں جو تم کہنا چاہتے ہو۔ وہ اب سے زیادہ سکھ چین سے
رہیں۔ مگر دنیا کہے گی کہ بوڑھی بے سہارے نانی کو چھوڑ کر اپنے

اپنے سکھ کے لئے میں نے بیاہ کر لیا۔ اور وہ تمہارے ساتھ رہیں
تو بھی یہ کہا جائے گا۔ کہ تمہاری روٹیوں پر نانی کو بھی ڈال دیا۔
کمار۔ یہ تمہارا خیال ہے روپا۔ سمجھ تو!
روپا۔ کمار! میں اس بات کو زیادہ چھیڑنا نہیں چاہتی۔ اس کو دل سے
نکال دو۔ آج کے بعد کبھی مجھ سے یہ بات کرنا۔ آخری بار سن لو
میں تمہاری ہوں اور تمہاری رہوں گی۔

(فیڈ آوٹ مکالمہ)

راوی۔ " کمار نے اس کے بعد کچھ کہنا چاہا۔ مگر روپا چلی گئی۔ کمار کا دل
اس مایوسی سے ٹوٹ گیا۔ اسے شک تھا کہ روپا شائد کسی اور مالدار
سے بیاہ کرنا چاہتی ہے۔ مگر روپا استری تھی۔ دھن کی پکی اور پریم
بچن کی پوری۔ گو کمار کے سامنے پریم بندھن کے تار ایک ایک
کر کے بکھرتے اور ٹوٹتے نظر آرہے تھے۔ وہ خاموش تھا اور
اس کے دل میں کوئی ڈھاڑیں مار رہا تھا۔

دن بیتے، راتیں گذریں۔ روپا کا ارادہ نہ بدلنا تھا۔ نہ بدلا
وہ مچھلیاں پکڑتی۔ دن بھر بھر کر بیچتی۔ اور شام کو پیسے لاکر
نانی کو دے دیتی۔ ادھر کمار ناؤ چلاتا۔ مگر اب اس کے
بازوؤں میں وہ طاقت نہ رہی تھی۔ اکثر وہ چپو چلاتے چلاتے کھو سا
جاتا۔ اس انتظار میں کہ شاید پرانے زمانے کی طرح روپا ایک دن

آئے گی اور اس کی نیا .... ہچکولے کھاتی بیکل من کی ڈوبتی نیا پار لگائے گی۔ مگر روپا کمار کی گھاٹ کی طرف ہو کر بھی نہیں گذری۔ وہ روز راہ تکتا اور جب شام تک وہ نہ آتی تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر جاتے اور نراشش ہو کر چپّو اٹھاتا اور گاتا چلا جاتا ــــــ یہ اس کے دکھیا من کی پکار تھی۔

ایک دن شام کا وقت تھا۔ آسمان پہ کچھ غبار سا چھایا ہوا تھا۔ کمار ناؤ گھاٹ پہ لگا کر جھونپڑے کو واپس آچکا تھا۔ دروازہ پر کسی نے آواز دی ــــ کمار کو شک ہوا۔ یہ آواز روپا کی ہے۔ پھر اس نے سوچا۔ وہ اسی طرح دن رات دل کو دھوکہ دیا کرتا ہے۔ روپا یہاں کہاں۔ ــــ آواز پھر آئی ــــ کمار نے دروازہ پر آکر دیکھا ــــ سچ مچ روپا۔

(فیڈ اِن :۔ مکالمہ)

کمار۔ "روپا! تم اس وقت!"

روپا۔ ہاں کمار! تم ناؤ اس پار سے چلو گے اس وقت؟

کمار۔ ناؤ! کہاں روپا۔ ایسے میں کہاں جاؤگی تم ۔۔۔؟
روپا۔ مجھے اس پار مکرجی کے گھر مچھلیاں پہنچانا ہے۔ ان کے یہاں دعوت
ہے۔ میں اسی وقت ضرور پہنچاؤں گی۔ اور گھاٹ کے سب
مانجھی موسم کے ڈر سے ناؤ نہیں کھیوتے۔
کمار۔ میں چلنے کو تیار ہوں روپا۔ مگر وقت ٹھیک نہیں۔
روپا۔ (بات کاٹ کر) میں سمجھتی ہوں کمار۔ تم مجھے ضرور پہنچا دوگے۔
میں وعدہ نہیں توڑ سکتی۔
کمار۔ مگر روپا۔ مچھلیاں تم مجھے دیدو۔ تمھارے جانے کی کیا
ضرورت ہے۔ میں ابھی پہنچا دوں گا۔
روپا۔ نہیں۔ میری وجہ سے تم کیوں جوکھوں میں پڑو۔
کمار۔ میرے جوکھوں میں پڑنے سے تمھیں کیا دکھ ہے روپا۔
روپا۔ کمار! تم اگر پہنچا سکتے ہو تو مجھے جلدی پہنچا دو۔
کمار۔ چلو روپا! ابھی پہنچاتا ہوں ۔۔۔

(فیڈ آوٹ)

راوی۔ (دونوں گھاٹ پر پہنچے ۔۔۔ اور کمار نے ناؤ کھول کر چلانا
شروع کی ۔۔۔ ناؤ دریا میں چلنا تھی کہ ہوا کی تیزی بڑھی۔
اور بوندیں بھی شروع ہوئیں۔ اب روپا بہت گھبرائی۔ اس
نے کہا۔

(فیڈ اِن مکالمہ)

روپا۔ کمار، میں نے تمھیں بے کار دکھ دیا ۔۔ اور جوکھوں میں ڈالا۔

کمار۔ اس سے زیادہ سکھ اور میرے لئے کیا ہوگا؟ روپا! تمھارے ساتھ ناؤ میں ہوں ۔۔ تم ذرا نہ ڈرو۔

روپا ۔ پر موسم بگڑتا جارہا ہے ۔ میں سمجھتی ہوں لوٹ چلیں ۔

کمار۔ نہیں روپا! تمھیں ضروری کام سے جانا ہے میں ضرور پہنچاؤں گا۔

روپا۔ ہوا بہت تیز ہوگئی ہے اور پانی بھی۔

کمار۔ موجیں بھی بڑھ رہی ہیں۔

روپا۔ اوہو۔ دریا بہت چڑھ گیا ہے۔

کمار۔ کچھ ڈر نہیں۔ میرا چپو سلامت رہے۔

روپا۔ کمار! تم پسینہ ہوگئے ہو۔ بہت محنت ۔۔۔۔۔۔

کمار۔ اوہ! روپا اب خطرہ بڑھ رہا ہے ۔۔۔ یہ سامنے والی لہر بہت بڑی ہے ۔۔۔ شاید ہی بچیں۔

روپا۔ کمار! اب کیا ہوگا۔!

کمار۔ ڈرو نہیں روپا — ارے! یہ اچھا نہ ہوا، میرا چپّو
ٹوٹ گیا زور میں۔

روپا۔ پھر اب!

کمار۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا ———— یہ لہر اب نہ چھوڑے
گی۔

روپا۔ بس اب کچھ ڈر نہیں کمار —— یہی ہونا تھا
اسی لئے شاید ہمیں یہاں آنا تھا۔

کمار۔ کس لئے روپا۔

روپا۔ بھول گئے کمار، جیون ساتھی ——
پریم بچن ——!

کمار۔ (ہنس کر) ہاں روپا! مجھے تو یاد ہے۔ پر کیا
تم نہیں بھولیں؟

روپا۔ آؤ کمار، میرے پاس آجاؤ، —— گاؤ
کوئی من کا گیت گا جاؤ ——

کمار۔ گاؤ روپا —— آؤ —— ....

(دونوں کا ہنسنا)

کمار۔ وہ لہر پاس آگئی روپا

روپا۔ میرے پاس اور ہو جاؤ کمار!

روپا ! ناؤ الٹ رہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہے ۔
(ہنسنا)
کمار ! چلو ۔۔ چلیں اس پار ۔۔ جیون ساتھی
(ہنسنا)

(دونوں کی ہنسی اور طوفانی شور)

فیڈ ان : دوگانا

لے چل سانچے دیار ساجن
لے چل سانچے دیار ۔۔۔۔۔۔

پریم کا ساگر پریم کی نیّا
روپا :۔۔ کوئی نہیں ہے ناؤ کھویّا
دونوں :۔ پریم ہی کھیون ہار ساجن ۔۔۔۔
لے چل سانچے دیار ۔۔۔۔

اندھا ساگر دور کنارا
روپا :۔۔ کوئی نہیں دکھیوں کا سہارا
دونوں ۔ آن پڑے منجدھار ساجن
لے چل سانچے دیار ۔۔۔۔
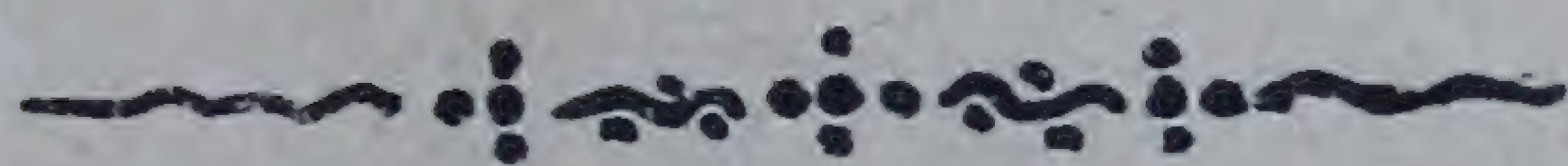
کمار :- پریم کی بنسی آؤ بجائیں
پریم کے ساگر میں مل جائیں

دونوں :- آؤ لگاؤ پار ساجن
لے چل سانچے دیار

(طوفان کا شور تیز ہوتا ہے۔ اور گانے کی آوازیں شور میں ڈوب کر غائب ہو جاتی ہیں)

فیڈ آوٹ

(ڈرامہ)

آئینہ

(ایک عبرتناک رومان)

افراد

(۱) سلطانہ	———	ایک جوان حسین بیوہ
(۲) چچا جان	———	سلطانہ کے نگران
(۳) ناصر	———	سلطانہ کا مایوس طالب
(۴) مجید	———	سلطانہ کا نوکر

پہلا سین

(سلطانہ ایک نوجوان بیوہ ہے۔ کم عمری میں مرضی کے خلاف شادی ہوگئی۔ شوہر کی جدائی کو ابھی دو سال گزرے ہیں۔ اپنی غمگین زندگی کے دن تنہائی میں گذار رہی ہے۔ اس کا اب دنیا میں کوئی نہیں ہے صرف ایک ضعیف چچا ہیں۔

سلطانہ کے مرحوم باپ نے انھیں کے سپرد کیا تھا۔ اور اس کی ہزاروں کی جائداد انھیں کی نگرانی میں ہے۔ شوہر کی وفات کے بعد اس کو جائداد ملی اور وہ بھی چچا کے انتظام میں ہے۔

سلطانہ ——— نیک، شریف سیرت۔ کچھ تو اپنے مغموم شوہر کی یاد میں مغموم رہتی ہے اور کچھ اس کے قابو یافتہ چچا کی سخت گیری اور اس کو دنیا کی دلچسپیوں اور جائداد کے بکھیڑوں سے دور رکھے ہوئے ہے

سردی کی رات ——— خاموشی! سناٹا! اور سلطانہ کی مایوس تنہائی ہے۔)

سلطانہ۔ (جمائی لے کر) اونہہ ——— او ——— دس بج گئے۔

(گھنٹہ) رات — گذر رہی ہے — گذرتی رہتی ہے — ابھی تک یہ افسانہ ختم نہیں ہوا۔ ابھی تو تیس چالیس صفحے باقی ہیں۔ کافی دلچسپ اور پر اثر افسانہ ہے — چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا (ٹھنڈا سانس) زندگی خود ہی ایک افسانہ ہے — کتنا عجیب — حیرت انگیز۔ دلدوز — پرسوز — بعض افسانے اتنے لمبے ہوتے ہیں کہ ختم ہونے میں نہیں آتے — ان کی طرف کوئی دیکھتا بھی نہیں۔ یہ مایوس زندگی کی طویل گھڑیاں ہیں۔

(خیال میں کھوئی ہوئی) مگر بعض دلکش افسانے۔ شروع ہوتے ختم — کس قدر مختصر ہیں۔ پر ارمان زندگی کے لمحات۔ آرزوں کی موت — زندگی کے یہ افسانے کتنے حسرت ناک ہیں — یہ ہے دنیا کا افسانہ — خداوندا! —

(کسی کی آہٹ)

سلطانہ۔ کون! مجید — ؟

آواز — جی نہیں گھسیٹا — (ہنسنا)

سلطانہ۔ ارے آپ ہیں — ناصر بھائی آپ اس وقت کہاں ؟؟

ناصر — ہم غریبوں کے لئے وقت ہی کیا — اور سلطانہ یہ تم نے پھر وہی دقیانوسی خطاب سے پکارا مجھے ؟

سلطانہ۔ خطاب کیسا ؟ میں سمجھی نہیں —

ناصر۔ میں آپ کی خدمت میں بارہا عرض کر چکا ہوں اور اس وقت پھر کہتا ہوں مجھے بھائی کہہ کر مخاطب نہ کیا کرو۔

سلطانہ۔ اونھ۔ ہونگا بھی۔ آپ ہی بحث کرنے آتے ہیں . . . . . آخر اور . . . . . .

ناصر۔ میں کہتا ہوں ــــ میرا نام! صرف نام لینے سے کیا ڈر معلوم ہوتا ہے۔

سلطانہ۔ تو بڑوں کا ادب بھی کوئی چیز ہے۔

ناصر۔ خدا کے لئے مجھے چھوٹوں کا چھوٹا سمجھئے۔ مگر اپنی ضد ختم کر دیجئے۔ سلطانہ میں ہنسی سے نہیں واقعی کہہ رہا ہوں تم اپنی زندگی کیوں خراب کر رہی ہو ــــ تمہاری جوانی ــــ

سلطانہ۔ (ٹھنڈا سانس) بیوہ کی جوانی کا ذکر کر رہے ہیں آپ

ناصر۔ یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں سلطانہ۔ یہ جوانی بیوگی کے داغ کے لئے نہیں۔

سلطانہ۔ مگر کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ قسمت کو لکھے کو کون مٹا سکتا ہے جو ہونا تھا ہو چکا۔

ناصر۔ سلطانہ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ لوگ اپنے ہاتھوں اپنے کو بگاڑتے بناتے ہیں اور نام بدنام کرتے ہیں بچاری قسمت کا۔

سلطانہ۔ قدرت کے اختیار میں سارا بناؤ بگاڑ ہے ــــ (لمبا سانس لے کر گہرے سوچ میں۔

ناصر۔ میں یہ نہیں مان سکتا۔ انسان اپنی قسمت آپ بناتا ہے اور آپ ہی بگاڑتا ہے۔

سلطانہ۔ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔

ناصر۔ اور پھر تمہارا خیال درست کیسے ہے؟

سلطانہ۔ انسان مجبور ہے۔ آہ وہ سوچتا کچھ ہے۔ ہوتا کچھ ہے۔ میری زندگی اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ ہر سانس سے یہی ثابت ہو رہا ہے۔

ناصر۔ کیسی خشک فلسفیانہ باتیں کرتی ہو۔ سلطانہ مجھ پر رحم کرو۔ اپنی بگڑی تم خود بنا سکتی ہو۔

سلطانہ۔ خدارا رحم کیجیے۔

ناصر۔ میں خود تم سے رحم کی درخواست کر رہا ہوں۔ میری ویران زندگی کو تم آباد کر سکتی ہو۔ جو تمہارے دقیانوسی چچا نے تباہ کی۔ تمہاری اور میری زندگی نئے سرے سے بن سکتی ہے۔ تم آزاد ہو اور اپنی مرضی کی مختار ہو۔ توڑ ڈالو۔ ان نمائشی بندھنوں کو۔ ان سماجی بیڑیوں کو۔ سلطانہ میں اب بھی تمہارا ہوں۔ مجھے ٹھکرا چکی ہو تم۔ چاہو تو اپنا بنا کر نئی دنیا بنا سکتی ہو۔

سلطانہ۔ للہ بس کوئی سن لے گا۔

ناصر۔ اب تک تمھیں کسی کے سننے کا خوف ہے۔ ہمیں مٹا کر۔ برباد کر کے بھی دنیا کے کان ہماری طرف لگے ہیں۔ تو اس سے

سننے۔ اس کے جلنے اور رشک وحسد سے تباہ ہو جانے کے لئے تم ایک بار عزم کر لو ——— میری آرزو ——— میری پہلی اور آخری تمنا کو مبارک باد کہو۔ سلطانہ اس بگڑ جانے والی قسمت کا واسطہ جس کا اب تک تمھیں بھروسہ ہے ۔ میری تقدیر اپنی ایک ہاں سے بنا دو۔ ہم دونوں پاک رشتہ میں منسلک ہو سکتے ہیں ۔ تم اور میں ۔

خدا کا واسطہ ——— خاموش ——— میں کہیں کی نہ رہوں گی ۔ (باہر سے کھانسی کی آواز)

چچا جان آرہے ہیں ۔ آپ ۔ آپ جائیے ۔

اچھا جاتا ہوں ۔ خدا تمھیں مجھ پہ اور اپنے پر ترس کھانا سکھائے ۔" (جاتا ہے)

(چچا کھانستے ہوئے داخل ہوتے ہیں)

بیٹی سلطانہ ۔ اور بھئی کہاں ہو ۔" (کھانستا ہے)

آداب چچا جان ۔"

جیتی رہو بیٹی ۔ اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست ۔ میں نے کہا بیٹی ۔ یہ ناصر پھر آئے جا رہا ہے ۔ مانا کہ خاندانی رشتہ ہے ۔ مگر جوان بیوہ کے پاس اس طرح کی آمد و رفت سے جانے لوگ کیا کیا چہ میگوئیاں کرتے ہیں ۔"

سلطانہ ۔ "چچا جان۔ اب کسی گھر آئے کو کیسے منع کیا جا سکتا ہے۔
اور وہ آخر عزیز ہیں۔
چچا جان۔ نہیں بیٹی منع کرنا ہی ہوگا ــــ تم بچی ہو کیا جانو ــــ
آج کل کے یہ نوجوان عزیز۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خیر میں
کچھ کروں گا ہی (کھانستا ہے)
ہاں بیٹی، میں کلکتہ جا رہا ہوں ۔ چند دن کے لئے۔
ناصر۔ جی اچھا"
چچا۔ تم بھی چلو۔ ذرا جی بہل جائے گا۔ یہاں تنہا گھبراؤ گی"
سلطانہ۔ نہیں چچا جان ــ میں تو نہیں جاؤں گی ۔ آپ۔ ۔ ۔ ۔
چچا۔ ہاں میں تو جاؤں گا ہی بیٹی ــ مگر تم ذرا ۔ اس ناصر کی
آمد و رفت بند کرو ــــ میں یہ بالکل پسند نہیں کرتا ۔ اچھا
میں چلتا ہوں۔ سامان درست کرانا ہے۔ اور ہاں تمہارے
لئے کلکتہ سے کیا لاؤں۔
سلطانہ۔ جو آپ پسند کریں ۔
چچا ۔ (ہنسنا) اچھا، اچھا دیکھا جائے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (جانا)
سلطانہ۔ چچا جان آداب! (وقفہ) میں کہاں جاؤں کی کلکتے۔
اسی کلکتہ جہاں میری زندگی کا قافلہ سالار لوٹ لیا گیا تھا ــــ
میری دنیا کلکتہ میل میں ہی تو برباد ہوئی ــــ کلکتہ میل
ــــ اسی سفر میں ـ

(خیال میں کلکتہ میل گذرتا ہے)

(کھوئی ہوئی) اسی راستہ پر میری زندگی کا سامان لوٹ لیا گیا تھا ۔ اف ۔

کس قدر خوفناک سفر ـــــ کلکتہ میل ـــــ آہ وہ بربادی ـــــ خانہ ویرانی ـــــ

(ریل کی آواز کے ساتھ گاڑی کی ٹکر کی آواز میں ۔ اور لوگوں کی دردناک چیخیں ـــــ جیسے گاڑیاں لڑ گئی ہوں ۔

آہ ـــــ کاروان حیات ـــــ کا تصادم ـــــ بدنصیب زندگی کی گاڑی ـــــ بے درد موت ـــــ موت سے ٹکرا گئی ۔

(لوگوں کا چیخنا، ہائے، ہائے ۔ حادثہ ۔ گاڑی ٹکرا گئی ۔ اف ۔ ہائے ہائے ۔ آہ)

(جیسے سب سامنے ہوا) اُف! خداوند! یہ بربادی ۔ یہ تباہی ۔ یہ بے بسی ۔ میرے اللہ! میں کیوں زندہ ہوں ۔ آہ اسی سفر میں میرا سہاگ لٹا ۔ اللہ ـــــ

(روتی ہے)

دوسرا سین

اس واقعہ کے چند دن بعد چچا کلکتہ کے سفر سے واپس آ گئے ہیں۔

(باہر سے چچا جان کی آہٹ)

(چچا جان آتے ہیں)

چچا۔ سلطانہ بیٹی کہاں ہو؟

سلطانہ۔ آداب چچا جان۔ خیریت سے آئے۔

چچا۔ جیتی رہو۔ خوش رہو بیٹی۔ توبہ توبہ۔ سفر بھی بڑھاپے کا آفت سمجھو۔ آفت! تمہارے کام کی مجبوری تھی۔ ورنہ میں تو قدم نہ نکالتا — افوہ — ارے مجیدا — او مجیدا — حقہ تو لے آ —

سلطانہ۔ بے شک چچا جان۔ آپ کو بڑی تکلیف ہوئی ہو گی۔

چچا۔ تکلیف سی تکلیف۔ بس۔ کیا کہوں — اور ہاں تمہارے لئے اتفاق سے عجیب تحفہ مل گیا۔ ارے مجیدا حقہ لے آ۔

مجیدا۔ ابھی لایا سرکار —

چچا۔ ابے فوراً لا ——— افوہ ——— ہاں تو سلطانہ۔
سلطانہ۔ جی چچا جان۔
چچا۔ بیٹی۔ ہم تمہارے لئے بہت ہی عمدہ تحفہ لائے ہیں۔
ایسی لاجواب چیز مل گئی کہ بس واہ! اتفاق کی بات ہے ایسی
چیز کا ملنا!"
سلطانہ۔ کیا چیز ہے چچا جان!"
چچا۔ بس لاجواب ہے"
سلطانہ بے شک۔
چچا۔ آج تک دیکھی نہ ہو گی۔
سلطانہ۔ بجا ہے۔
چچا۔ حیران رہ جاؤ گی دیکھ کر ——— میرا دماغ بھی کہاں پہنچا ہے
اور خدا نے کیا چیز دلائی ہے۔
سلطانہ۔ دیکھوں چچا جان ہے کیا؟
چچا۔ بھلا بتلاؤ تو کیا چیز ہو گی ——— ؟
سلطانہ۔ میں کیا عرض کر دوں؟
چچا۔ کچھ قیاس سے بتاؤ تو سہی۔
سلطانہ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔
چچا۔ تمہاری پسند کی چیز ہے ———! تم اکثر کلکتہ سے
لایا کرتی تھیں۔

آئینہ تو نہیں ۔۔۔ !

ہاں ۔ ہاں آئینہ مگر ۔۔۔

یہ آئینہ کیسا ہوگا چچا ؟

لایا تو آئینہ ہی ہوں ۔۔۔ مگر یہ معمولی آئینہ نہیں۔ دونوں
جہان کی صورت دکھانے والا آئینہ ۔۔۔ انسان کی حقیقت
سمجھانے والا آئینہ ۔۔۔ بیٹی ۔۔۔

چچا جان

بیٹی اسے دیکھو گی تو حیران ہو جاؤ گی ۔ عجیب و غریب
دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ چیز ۔

سرکار ۔۔۔ حقہ ۔۔۔

چپ بے نامعقول کہیں کا ۔

سرکار ۔ آپ ہی نے تو ۔

سرکار کے بچے ۔ یہ دخل در معقولات ۔۔۔ اول
۔۔۔ چل نکل یہاں سے ۔۔۔

(مجید بھاگ جاتا ہے)

تو بیٹی میں کیا کہہ رہا تھا ۔۔۔ ہاں وہ عجیب و
غریب تحفہ ۔۔۔

مگر چچا جان میں آئینہ کیا کروں گی ۔۔۔ میں ۔۔۔
سمجھا ۔۔۔ بیٹی تمھیں اس آئینہ کی بڑی ضرورت ہے

دین دنیا کی پوری کیفیت نظر آجائے گی ———
اچھا ——— دیکھو میں نکالتا ہوں ——— کہاں گیا میرا
صندوق ——— ہوں ——— افوہ ——— یہ
حقہ الگ ختم ہوا جا رہا ہے۔ اچھا (حقہ پیتا) ابے
حمیدا۔ وہ بکس ذرا اٹھا لا۔
سلطانہ۔ چچا جان یہ ——— گول بکس۔
چچا۔ ہاں اونچی آواز سے جیسے داد لینا چاہتے ہوں ، یہی تو
عجیب چیز ہے۔ ا گول بکس میں دنیا بھر کی حقیقتوں کا مکمل
خاکہ ——— دونوں جہان کا آئینہ ——— انسانی
زندگی کا گنجینہ ——— ارے ———
یہ لو ———
سلطانہ۔ ارے (چیخ کر جیسے خوف اور حیرت سے گھبرا گئی ہو۔
یہ ——— یہ کیا ——— چچا جان؟
چچا۔ (ہنس کر حقہ پیتے ہوئے) ہاں ——— یہی تو ———
ڈرو نہیں بیٹی ——— دیکھو اچھی طرح دیکھو۔
یہ آئینہ ہے۔
سلطانہ۔ (ٹھنڈا سانس) ہاں چچا جان ———
صحیح ہے۔
چچا۔ پیاری بیٹی دنیا جائے عبرت ہے۔ ناپائدار ہے۔

اس کا کوئی اعتبار نہیں ـــــ یہی تو میں تمھیں برسوں سے سمجھاتا رہا ہوں۔ اور یہی تمھارے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں اور اسی لئے یہ تحفہ ـــــ لایا ہوں ـــــ

سلطانہ۔ بہت خوب ـــــ چچا جان میں اچھی طرح سمجھ گئی ـــــ

چچا۔ (حقہ پینے کی آواز) شاباش میری عقلمند سلطانہ۔ اب اس بیوقوف ناصر کو بھی سمجھانا اور اس سے کہہ دینا کہ اب اس حماقت کے خیال سے یہاں کبھی نہ آئے۔

سلطانہ۔ خدا جانے یہ کس کی کھوپڑی ہوگی۔

چچا۔ کیا خبر۔

سلطانہ۔ نہ جانے عورت کی ہے یا مرد کی ـــــ کسی امیر کا سر ہے یا غریب کا۔

چچا۔ کسی کا بھی ہو بیٹی۔ اس چار دن کی دنیا میں ہر ایک کا انجام یہی ہوتا ہے۔ اس لئے ـــــ (کھانسی)

سلطانہ۔ کتنی عجیب چیز ہے ـــــ زندگی کا ـــــ اتنا بھیانک ـــــ مال و دولت ـــــ جوانی ـــــ بڑھاپا سب ـــــ

چچا۔ (حربہ کارگر ہوتے دیکھ کر کامیابی کی خوشی سے) ہیچ ـــــ میری بیٹی، ہیچ ہے ـــــ

سلطانہ۔ سب ہیچ ہے ـــــ بے شک ـــــ ؟

چچا۔ ہاں سلطانہ۔ تم ابھی ریڈیو بجا رہی تھیں۔ ہمیں بھی سناؤ

سلطانہ۔ سب ہیچ ہے چچا جان سب ــــ

چچا۔ (خوش ہو کر مگر چھپاتے ہوئے) نہیں بیٹی ذرا دل بہلا لیا کرو۔

سلطانہ۔ آپ سنیں تو ہیں۔

چچا۔ ہاں۔ ہاں۔ ذرا دیکھو۔ کیا ہو رہا ہے۔ کوئی تفریح کی چیز۔

سلطانہ۔ ابھی لیجیے۔ (ریڈیو کی کھڑکھڑاہٹ)

"ہم دلّی سے بول رہے ہیں۔ ابھی گیت سن رہے تھے۔
اب ایک غزل سنیے۔ غزل:۔ تمنّاؤں میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دیکے بہلایا گیا ہوں

سلطانہ۔ چچا جان یہ کیسی اچھی غزل ہے۔

چچا۔ کیا غزل۔ یہ کھلونے کیا بلا ہیں بیٹی ــــ میں نے کہا تھا!
ہمارا لٹریچر ردّی۔ شاعری واہیات! سب ہیچ پوچ ــ
سوائے تمناؤں۔ ارمانوں کے اور کچھ بھی نہیں ــــ
لاحول ولا ــــ بند کرو کم بخت کو ــ

سلطانہ۔ بہت اچھا۔

چچا۔ اچھا بیٹی میں ذرا چلوں سامان ٹھیک کراؤں، سیدھا تمھارے
پاس آ گیا تھا۔ تم اپنا تحفہ سنبھالو۔

(جاتا ہے)

سلطانہ۔ جی اچھا ــــ مجید! ــــ مجید! چچا جان کا سامان لے جا۔

چچا۔ "میں خود ہی بلاؤں گا اسے! ابے بجیدا۔ ادھر آ۔ تیرے لئے
بھی چپل لایا ہوں۔" (جاتے ہیں) (وقفہ)

سلطانہ۔ (خود بخود) خدایا ـــــ کیا اس دنیا ـــــ وسیع و عریض دنیا
افوہ ـــــ اور پھر اس کی زندگی ـــــ چار دن کی زندگی کا یہ
انجام ـــــ اس تھوڑے سے وقفہ میں اتنے غم و رنج۔
نصیحتوں کے انبار ـــــ جکڑبند ـــــ قید ـــــ رسم و رواج!!
سب کی سب اس چار دن کی زندگی میں!!! یہی ہے ـــــ
یہ ہے انجام زندگی کا ـــــ حسن ـــــ جوانی ـــــ ارمان
ـــــ آرزو ـــــ عبرت ـــــ سب کا عبرت ناک آئینہ ـــــ
یہ کسی حسرت نصیب غریب کی کھوپڑی ہے ـــــ کتنی کریہہ اور
ہولناک تصویر ـــــ اور یہ میرا دل بہلانے کے لئے
لائی گئی ہے ـــــ میرا دل گویا ـــــ ؏
"دکھلانے دیکھے بہلایا گیا ہے"
سب ہیچ ـــــ زندگی ـــــ دنیا ـــــ آرزوئیں ـــــ تمنائیں ـــــ
میرے اللہ! (آہٹ)

سلطانہ۔ کوئی آرہا ہے ـــــ چچا جان شاید پھر ـــــ عبرت کے لئے۔
ناصر۔ (قریب آکر) عبرت کیسی۔ سلطانہ خیریت تو ہے ـــــ کیسی عبرت؟
سلطانہ۔ تمہارے لئے عبرت ـــــ میرے لئے عبرت ـــــ دنیا بھر کے لئے عبرت
ناصر۔ کیا ـــــ یہ تم کیا کہہ رہی ہو سلطانہ؟

سلطانہ۔ یہ نہیں۔ دنیا کے نئے عبرت انگیز منظر ناصر۔
ناصر۔ میں کچھ نہیں سمجھا سلطانہ۔ تمہارا مطلب۔
سلطانہ۔ میں خود بھی کچھ زیادہ نہیں سمجھ سکی۔ مگر۔
ناصر۔ مگر یہ — یہ کیا ہے تمہاری میز پر — مردہ کھوپڑی۔
سلطانہ۔ تحفہ ہے۔ چچا جان کا عطیہ ہے۔ زندگی کے انجام کا آئینہ۔
ناصر۔ اب سمجھا۔ انجام کا آئینہ — چچا جان نے جو تمھیں اب تک قید خانہ میں رکھا۔ جائداد کے لئے ہر قدم پر جبر و تشدد روا رکھا تھیں گھر کی چہار دیواری سے باہر نہیں نکلنے دیتے۔ اب نصیحت کا نیا پہلو نکالا ہے۔ زندگی کا انجام دکھا کر ڈراتا ہے۔
سلطانہ۔ ڈرانا کس کو چاہتے ہیں ناصر — اسے جو زندگی سے کبھی کی بیزار ہو چکی ہو — مایوسی کی تاریکی نے جس کی دنیا میں اب سے بہت پہلے بربادیوں کے بھیانک نقشے بنا رکھے ہیں۔
ناصر۔ یہ سب دھوکا ہے۔ سلطانہ — تم اب بھی ان دھوکوں کو نہیں سمجھ سکیں۔ تمہارے لئے زندگی جس قدر بے کیف اور بے مزہ بنائی گئی تم نے اس کو شہد بنا کر گوارا کیا۔
سلطانہ۔ یہ سب میری قسمت میں تھا ناصر
ناصر۔ مگر حالات قسمت کو بدل بھی ڈالتے ہیں۔
سلطانہ۔ اس چار دن کی زندگی میں حالات ہی کیا۔
ناصر۔ اس بوڑھے سانپ نے تمہاری رگ رگ میں زہر بھر دیا ہے۔ الٹی

نصیحتوں نے تمھیں بہلا کر —— نہیں تم اس کے ورغلانے ——

سلطانہ۔ نہیں۔ نہیں ناصر میں ناسمجھ نہیں ہوں —— میں سب کچھ سمجھ رہی ہوں
سچ مچ زندگی چند روزہ ہے۔

ناصر۔ پھر اس چند روزہ زندگی کو یوں رنج و غم میں کیوں گذارو۔ کیوں
نہ اپنی غمگین زندگی کو طرب انگیز بنا ڈالو۔ کم سے کم ان
الٹی ہی باتوں سے سبق لو۔

سلطانہ۔ سبق — ناصر۔ میں بہت دیر سے کچھ اور سوچ رہی ہوں۔

ناصر۔ کچھ مت سوچو۔ اور اگر سوچو تو صرف یہ کہ چار دن کی زندگی
کس طرح خوش رنگ بنائی جاسکتی ہے۔ اور جو کچھ ہو چکا ہے
اسے بھول جاؤ۔

سلطانہ۔ ناصر۔ بھول جاؤ۔ وہ رنگین دن بھول جاؤ۔ وہ خوش آیند
لمحے بھول جاؤ۔ اور وہ دن بھی بھول جاؤ۔ جب میں ان
کی بنا دی گئی تھی —

ناصر۔ مگر یہ کیسے بھول جاؤں کہ تم میری تھیں — میں یہی —

سلطانہ۔ ناصر۔

ناصر۔ اب بھی دیکھو میرا دل ان لمحوں کی یاد میں دھڑک رہا ہے۔
باغ کے وہ کنج —

سلطانہ۔ تمھارا دل دھڑک رہا ہے — اور میری زندگی کروٹ
لے رہی ہے ناصر

ناصر۔ تو پھر آؤ۔ اس نئی زندگی کے ساتھ ایک نئی دنیا بسا ڈالیں
سلطانہ محبت کی مقدس دنیا۔

سلطانہ۔ ناصر۔

ناصر۔ سلطانہ۔ آؤ آؤ اور اٹھو نئی طرز حیات کو اپنی ہستی سے شاداب
کر دو۔ زندگی کے اس مٹے ہوئے نقش کو خوشی سے منور کر دو۔
اس سے پہلے کہ ہماری زندگی کا انجام اس تحفہ کی شکل میں ظاہر ہو۔
ہم اپنے طرز حیات کو کیوں نہ بدل ڈالیں۔

سلطانہ۔ (ٹھنڈا سانس) طرز حیات —— چار دن کی حیات

ناصر۔ ہاں یہی سوچ کر چار دن کے بعد آرام کی نیند سونا ہے۔
ان چار دنوں میں حقیقی مسرتوں سے کیوں نہ مالا مال ہوں۔
اس غم کدہ کو کیوں نہ عشرت خانہ بنا ڈالیں۔

سلطانہ۔ بس بس ناصر —— اب زیادہ باتوں میں نہ الجھاؤ۔

ناصر۔ سلطانہ ان دل سے نکلی ہوئی باتوں کو ٹھنڈے دل سے سوچو۔
اور سننے والے کانوں سے سنو۔ "چچا جان کا سبق ——

سلطانہ۔ خاموش رہو ناصر —— سب کچھ سن لیا —— اور سوچ لیا ——
اس آئینہ ، اس تحفہ۔ کو دیکھ کر جو کچھ میں نے دل میں سوچا
تھا۔ وہ تمھاری زبان سے سن لیا۔ ایسے سوچنے کی مجھے کبھی عادت
نہ تھی۔ مگر سچ یہ ہے —— کہ چار دن کی زندگی کو ——

ناصر۔ رنج و غم حسرت و مایوسی سے کیوں یاد کریں۔

— بس۔ ایک لفظ زبان سے نہیں، — ناصر! آؤ کہ اس چار دن کی زندگی میں ایک نئی دنیا —
(شوق اور خوشی سے) نئی محبت کی دنیا — بسائیں
— محبت کی مقدس دنیا! — میری سلطانہ!"
(رک رک کر) ناصر! خدا ہمارا مددگار — ہو۔"
"یہ آئینہ — یہ — کتنا مبارک تحفہ —!"
"پیارے ناصر"
"میری سلطانہ!"
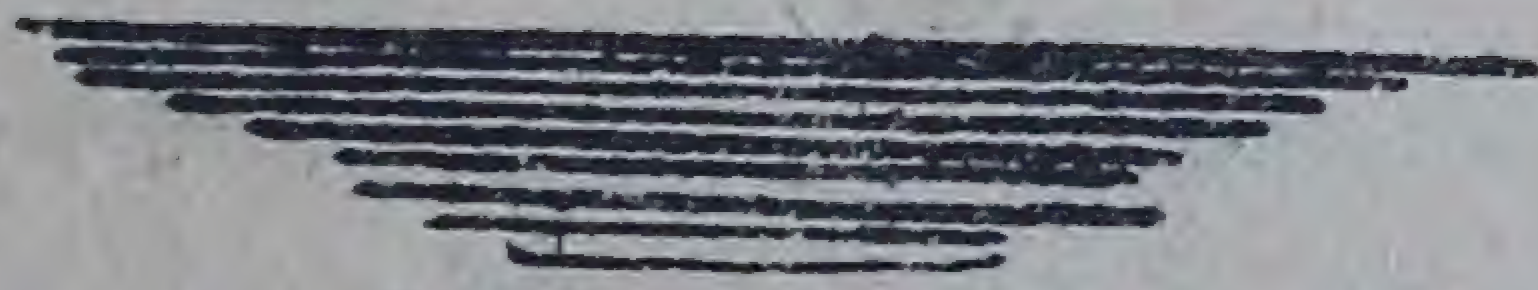
(ایک سماجی خاکہ)

دو روپ

(ایک تصویر کے دو رخ)

۲
دو روپ
(ایک خاکہ)

(یہ ہیں زندگی کی دو مکمل تصویریں! یا ایک نقش کے دو بدلے ہوئے رنگ یعنی عنوان ایک ہے اور کہانیاں دو، تصویر ایک اور رخ دو، خاکہ ایک اور روپ دو!)

پہلا روپ

(شانتی منوہر کا انتظار کر رہی ہے)

شانتی۔ (گنگناتے ہوئے) "کرم گتی ٹارے نا ہیں ٹرے"

شانتی۔ (خود بخود جماہیاں لیتے ہوئے) اماوس کی رات ہے۔ آکاش کیسا نیلا صاف شفاف ہے۔ ننھے ننھے تارے ہم بدنصیب کی استریوں پر آنکھیں جھپکا رہے ہیں۔ کوئی غم سے ٹوٹ بھی پڑتا ہے۔ یہی ہمارا بھاگیہ ہے۔ نہ جانے سوامی کہاں ہوں گے۔ بارہ بج چکے۔ آدھی رات گذری۔ (آہٹ) آ گئے شاید۔

منوہر۔ (دور سے) شانتی۔ شانتی۔ سو گئیں کیا۔ کہاں ہو؟

شانتی۔ سوامی اتنی دیر آج بھی۔

منوہر۔ چپ رہو تم۔ میرے آنے جانے کا تم نے ٹھیکہ تو نہیں لیا ہے

شانتی۔ اوہو۔ آپ کا چہرہ کیسا ہے۔ کیا کچھ طبیعت خراب ہے۔

منوہر۔ مت بکو۔ سب ٹھیک ہے۔

شانتی یہ آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں سوامی

منوہر۔ (ہنس کر) تم بکواس اور کیسی باتیں کرتے ہیں۔ ہاہاہا۔

شانتی۔ پریتم۔

منوہر۔ (ہنس کر) اچھا۔ تم یہ ہوتی استری۔ ادن۔ شانتی۔

شانتی۔ جی سوامی۔

منوہر۔ تو ادھر آؤ سنو۔

شانتی۔ آگیا سوامی۔ میں آپ کی داسی ہوں۔ آپ کی چرنوں میں۔

منوہر۔ چپ رہو۔ میں یہ کچھ سننا نہیں چاہتا۔

شانتی۔ تو آپ کیا چاہتے ہیں

منوہر۔ روپیے۔ زیور۔ سمجھیں۔ نکالو۔ جلدی لاؤ۔

شانتی۔ زیور۔ اب میرے پاس کہاں رہا سوامی۔ وہ تو آپ سارا پہلے ہی لے چکے

منوہر۔ ہونہہ۔ بکواس۔ پھر تمھارے پاس میرے لئے ہے کیا۔

شانتی۔ ایک ستی کے نربل آنسو۔ جو گنگا جمنا کی دھارا سمان پوتر ہیں۔ آپ کے چرن دھونے کیلئے

منوہر۔ ہنت۔ آنسو۔ مجھے آنسو وانسو کچھ نہیں چاہئیں۔ یہ چرن تیرے ان بیکار آنسوؤں کو ٹھوکر۔

شانتی۔ آہ۔ سوامی۔ میرے سچے پریم کا یہ بدلا۔

منوہر۔ اس طرح باز نہ آئے گی۔ تجوری کی چابی نکال۔ ورنہ مار مار کر کچومر نکال دوں گا

شانتی۔ آہ۔ پرماتما۔ ہماری سہائتا

منوہر۔ ستی بنتی ہے اور پتی کی آگیا سے منہ موڑتی ہے۔ نکال روپیہ زیور جو کچھ ہے اس سے بچن دے چکا ہوں۔ ابھی دینا ہے۔ نکال جلدی۔

شانتی۔ جو آگیا سوامی۔ (روتی ہے)

(منوہر چابیاں لیکر نقدی و زیورات نکال لیتا ہے)

(ہنس کر) یہ ۔ یہ سب ۔ کام بن گیا ۔ اس بجو اس سے کیا بنتا ۔ سوامی

منوھر ۔ ہاہاہاہا ۔ یہ زیور ۔ یہ روپیہ ۔ عیش ہی عیش ہے اب ۔ ہاہاہاہا (ہنستے ہوئے جانا)

دوسرا روپ

(رات کو موہنی اپنے مکان میں داخل ہوتی ہے)

موھنی سندر ۔ سندر ۔ کیا سروپ بابو آگئے ۔

سندر ۔ حضور ۔ بابو جی تو ابھی نہیں آئے ۔

موہنی ۔ نہیں آئے ۔ بارہ بج گئے ۔ میں اسی لئے کلب سے دیر کرکے آئی کہ اب تک آگئے ہوں گے ۔ اب روز کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے سینما تھیٹر، کلب، ڈانس، میں نے اسی لئے ساتھ جانا چھوڑا ۔

سندر ۔ حضور کھانا ۔

موہنی ۔ نہیں ۔ بارہ بجے کھانا ۔ ہم نے کھالیا ہے ۔

سندر ۔ تو حضور ۔

موہنی ۔ کچھ نہیں ۔ تم کھانا کھاؤ اور کمرے بند کرو ۔ سو جاؤ ۔

سندر ۔ ابھی بابو جی نہیں آئے حضور ۔

موہنی ۔ نہ آئیں ۔ رات بھر کون انتظار کرے گا ۔ پھاٹک بند کراو ۔ جاؤ ۔

سندر ۔ جو حکم حضور ۔

موہنی ۔ (خود بخود) میں نے بھی اب ٹھان لی ہے کہ سروپ بابو کا دماغ درست کرونگی

جب دیکھو باہر۔ کاروبار کا بہانہ ہے اور سیر و تفریح میں رات دن گذارے جاتے ہیں۔ کوئی نئی مل گئی ہوگی۔ میں بھی اب اچھی طرح جلاؤنگی آج کلب میں مجھے دوستوں کے ساتھ تاش کھیلتے دیکھ کر آپ کیسی غضب کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اتنے ایک گراموفون ریکارڈ بھی لگا دوں۔ آ کر یہ نہ سمجھیں کہ میرا انتظار کر رہی ہے۔

(باہر موٹر کی آواز) (ریکارڈ کی آواز)

موہنی ۔ (خود بخود) اچھا تشریف آ گئے (ہنس کر) سروپ بابو۔ آج اس کوٹھی میں آپ کا سواگت نئے شان سے کیا جائیگا۔ ذرا تشریف تو لائیے۔

(سروپ آتا ہے)

سروپ۔ (آتے ہوئے) یہ پھاٹک آج ابھی سے کیوں بند کیا گیا۔ اوہو۔ سب کمرے بند ہیں۔ موہنی — کہاں ہو — موہنی — اوہ۔ گانا ہو رہا ہے۔

موہنی ۔ یہ اتنی رات گئے چوروں کی طرح گھر میں گھسنا اور پھر سینہ زوری دکھانا بیکار شور مچانا یہ کہاں کی شرافت ہے۔

سروپ۔ کیا موہنی ڈیر۔ یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔

موہنی ۔ کیوں کیا باہر کوئی اور ڈیر نہیں ملی آج۔

سروپ۔ یہ کیسی باتیں کر رہی ہو موہنی۔ اہاہا — اور یہ سب سامان۔ یہ کیا ہے موہنی۔ کیا تم نے کھانا کھا لیا۔

موہنی ۔ آپ اپنی فکر کیجئے۔ اس دخل سے آپ کا مطلب۔

سروپ۔ یہ آج تمھیں کیا ہوا ہے ڈیر — ؟ یہ لباس۔ اوہ بالکل اپسرا معلوم ہو رہی ہو۔

موہنی ۔ دیکھئے آپ خواہ مخواہ شور مچا کر میرے آرام میں خلل نہ ڈالیے۔

سروپ۔ اوہو۔ کچھ بگڑی سی معلوم ہوتی ہو۔ اتنی خفگی۔

موہنی۔ سنبھل کر کھڑے رہیے۔ آپ اپنے قابو میں نہیں ہیں۔

سروپ۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ تم بھی تو بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو (ہنس کر) اچھا چھوڑ دیہ باتیں آج تو میری موہنی سچ مچ موہنی اپسرا بنی ہوئی ہے۔

موہنی۔ بس کمرہ سے باہر جائیے۔ میری نیند کا وقت ہے۔

سروپ۔ ایسی اکھڑی باتیں مت کرو موہنی۔ میرا دل ٹوٹ رہا ہے۔ تم نہیں جانتیں میں تمھیں کیا سمجھتا ہوں۔

موہنی۔ خوب جانتی ہوں۔ ایک داسی اور کیا۔

سروپ۔ نہیں۔ نہیں۔ اپنے پریم مندر کی دیوی۔

موہنی۔ یہ کویتا کسی اور کو سنائیے۔ جائیے یہاں سے۔

سروپ۔ تو مجھے یہاں بیٹھنے کی اجازت بھی نہیں

موہنی۔ اس کے لئے قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

سروپ۔ قیمت؟ کیا کہہ رہی ہو موہنی۔ تم میری بیوی۔ میری رانی ہو۔

موہنی۔ میری نیند خراب نہ کیجیے۔ آپ اگر میرے وقت کا معاوضہ ادا کر سکتے ہیں تو خیر ورنہ تشریف لے جائیے۔

سروپ۔ تم ہر چیز کی مالک ہو۔ میری رانی۔ معاوضہ کیسا؟

موہنی۔ جی ہاں۔ اسی لئے اس ملکیت میں سے ہزاروں روپے دوسروں پہ لٹا دئیے جاتے ہیں۔ آپ کا اس گھر پر کوئی حق نہیں۔ اگر ہو سکتا ہے تو صرف اسی وقت کہ یہ حق حاصل کرنے کے لئے پورا معاوضہ دیں۔ ورنہ مجھ سے کوئی مطلب نہیں۔

سروپ ۔ یہ تم کیسی باتیں کر رہی موہنی ۔ تمھیں کیا چاہیئے ۔
موہنی ۔ مجھے آپ کی برابر آزادی چاہیئے ۔ اپنا حق اور یہ سب کچھ اسی وقت نقد، ورنہ میرا راستہ الگ، تمھارا الگ،
سروپ ۔ تو ابھی حاضر کرتا ہوں ۔ پانچ ۔ دس ہزار چاہئیں ۔
موہنی نہیں ۔
سروپ ۔ پندرہ ۱۵ ۔ بیس ۲۰ ۔ پچیس ۔
موہنی ۔ نہیں ۔ بالکل نہیں ۔
سروپ ۔ پھر کیا ۔
موہنی ۔ کل رقم جو بنک میں ہے ۔ اس کا چک ابھی میرے نام ۔
سروپ ۔ کل رقم ۔ لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی ہوگی ۔
موہنی ۔ جتنی بھی ہو بنک کی پاس بک میرے حوالے کر دو اور چک بک ۔
سروپ ۔ جو تمھاری مرضی ۔ میز کی دراز سے نکال لو (وقفہ) اور چک بک
موہنی ۔ شکریہ ۔ اب آپ کو ہر طرح آزادی ہے ۔ "ڈیڑھ لاکھ" "ہنس کر" تشریف رکھیے سروپ بابو ۔
سروپ ۔ شکریہ ڈیر ۔
موہنی ۔ پریتم ۔ یہ سب رقم تمھارے ہی صرف کے لئے ہے، تمھاری آزادی کی قیمت، شکریہ ۔
سروپ اوہ! سمجھ گیا موہنی ۔ تمھارا بہت بہت شکریہ ۔
موہنی آپ کا بھی شکریہ ۔

(دونوں کا ہنسنا)

(ملاحظہ کیجیے۔ آپ نے ایک تصویر کے دو رخ۔ پہلا نقشہ بن کر بگڑا اور دوسرا بگڑ کر بنا۔ ہماری سماجی زندگی میں صبح و شام جانے کہاں کہاں روز ایسے نقشے بنتے بگڑتے نظر آتے ہیں۔ اور انھیں سے "پریم سنسار" بنتا بگڑتا ہے)

عشرت

ALLAMA IQBAL LIBRARY
21604

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No 21604
Date 3-7-57
SRINAGAR

محمد ہاشم

۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء میں طبع ہوئی

مطبوعہ:- سلیمی برقی پریس، یحییٰ پور الہ آباد